اداریہ

خلافت

اللہ تعالیٰ کا یہ بے انتہا احسان اور بے پایاں رحمت ہے کہ اس نے اپنے وعدوں اور بشارتوں کے موافق جماعت احمدیہ کو خلافت جیسی نعمت عظمیٰ عطا فرمائی۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ

خلافت دراصل نبوت کا ظل ہے۔ جس سے نور نبوت بڑھتا، پھیلتا اور دوام پکڑتا ہے۔ خلافت شرک کے استیصال اور وحدت کے استقلال کا نام ہے۔ یہ مخزن علم وحکمت اور نشان عظمت وتمکنت ہے۔ یہ حصار امن وایمان اور درسگاہ فیض وعرفان ہے خلافت وہ حصن حصین ہے جس کا ہر باسی ہر طرح سے محفوظ ومامون رہتا ہے۔ خلافت محرم انوار قرآں اور رازدار اسرار دیں ہے۔ خلافت تنظیم وملت کی جان ہے اور تمام برکتیں، عظمتیں اور نعمتیں اس کی سچی وفاداری اور اطاعت میں ہیں جو شخص خلافت سے مضبوط تعلق رکھے گا وہ بابرگ وبار ہوگا اور جو قوم خلافت کی حقیقی مطیع رہے گی وہ ایسی فتح پائے گی جو کبھی شکست نہ دیکھے گی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نوراللہ مرقدہٗ خلافت کی حقیقی اطاعت اور فرمانبرداری کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"امام اور خلیفہ کی ضرورت یہی ہے کہ ہر قدم جو مومن اٹھاتا ہے اس کے پیچھے اٹھاتا ہے، اپنی مرضی اور خواہشات کو اس کی مرضی اور خواہشات کے تابع کرتا ہے، اپنی تدبیروں کو اس کی تدبیروں کے تابع کرتا ہے، اپنے ارادوں کو اس کے ارادوں کے تابع کرتا ہے، اپنی آرزوؤں کو اس کی آرزوؤں کے تابع کرتا ہے اور اپنے سامانوں کو اس کے سامانوں کے تابع کرتا ہے۔ اگر اس مقام پر مومن کھڑے ہو جائیں تو ان کیلئے کامیابی اور فتح یقینی ہے"۔ (الفضل ۴؍ستمبر ۱۹۳۷ء)

اسی طرح ایک اور موقع پر فرمایا:۔

"جس وقت خلیفہ کے منہ سے کوئی لفظ نکلے اس وقت سب سکیموں، سب تجویزوں اور سب تدبیروں کو پھینک کر رکھ دیا جائے اور سمجھ لیا جائے کہ اب وہی سکیم، وہی تجویز اور وہی تدبیر مفید ہے جس کا خلیفۂ وقت کی طرف سے حکم ملا ہے۔ جب تک یہ رُوح جماعت میں پیدا نہ ہو اس وقت تک سب خطبات رائیگاں، تمام سکیمیں باطل اور تمام تدبیریں ناکام ہیں"۔ (الفضل ۲۴؍جنوری ۱۹۳۶ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے سچے مطیع اور حقیقی فرمانبردار بنائے اور ہر حال میں اپنے اس عہد کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرماتا رہے کہ

"خلیفۂ وقت جو بھی معروف فیصلہ فرمائیں گے اس کی پابندی کرنی ضروری سمجھوں گا۔ انشاءاللہ"

☆☆☆

بچوں سے حسنِ سلوک

(مکرم طاہر احمد مختار صاحب۔ گوجرہ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بچوں پر بہت شفقت فرماتے اور ان سے بہت نرمی اور محبت سے پیش آتے تھے۔ اس ضمن میں آپ کی سیرت سے چند واقعات پیش خدمت ہیں۔

پدرانہ شفقت کا نمونہ

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی بیان فرماتے ہیں:-

''ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام لدھیانہ میں قیام فرما تھے۔ میں بھی وہیں تھا۔ محمود کوئی تین برس کا ہوگا۔ گرمی کا موسم تھا۔ مردانہ اور زنانہ دیوار حائل تھی۔ آدھی رات کا وقت تھا جو میں جاگا اور مجھے محمود کے رونے اور حضرت کے اِدھر اُدھر کی باتوں میں بہلانے کی آواز آئی۔ حضرت اسے گود میں لئے پھرتے تھے اور وہ کسی طرح چپ نہیں ہوتا تھا۔ آخر آپ نے کہا:-

دیکھو محمود! وہ کیسا تارا ہے؟

بچے نے نئے مشغلہ کی طرف دیکھا اور ذرا چپ ہوکر پھر وہی رونا اور چلانا اور یہ کہنا شروع کر دیا ''ابا! تارے جانا'' (یعنی ابا میں ستارے پر جاؤں گا۔ ناقل) کیا مجھے مزا آیا اور پیارا معلوم ہوا۔ آپ کا اپنے ساتھ یوں گفتگو کرنا یہ اچھا معلوم ہوا۔ ''ہم نے ایک راہ نکالی تھی، اس نے اس میں بھی اپنی ضد کی راہ نکال لی''۔ آخر بچہ روتا روتا خود ہی جب تھک گیا، چپ ہوگیا۔ مگر اس سارے عرصہ میں ایک لفظ بھی تختی کا یا شکایت کا آپ کی زبان سے نہ نکلا''۔ (سیرت حضرت مسیح موعودؑ صفحہ ۳۰،۳۱)

حضرت مصلح موعود کے ایام طفولیت کا ایک واقعہ ہے۔ جس کو حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے تحریر فرمایا ہے۔ اس کو پڑھ کو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کس شفقت پدری کا نمونہ تھے۔ چنانچہ مخدوم الملت فرماتے ہیں:-

''جاڑے کا موسم تھا محمود نے جو اس وقت بچہ تھا۔ آپ کی واسکٹ کی جیب میں ایک بڑی اینٹ ڈال دی۔ آپ جب لیٹیں وہ اینٹ چبھے۔ میں موجود تھا۔ آپ حامد علی سے فرماتے ہیں۔ حامد علی! چند روز سے ہماری پسلی میں درد ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز چبھتی ہے۔ وہ حیران ہوا اور آپ کے جسد مبارک پر ہاتھ پھیرنے لگا اور آخر اس کا ہاتھ اینٹ سے جالگا۔ جھٹ جیب سے نکالی اور عرض کیا یہ اینٹ تھی جو آپ کو چبھتی تھی۔ مسکرا کر فرمایا کہ ''اوہو! چند روز ہوئے محمود نے میری جیب میں ڈالی تھی اور کہا تھا اسے نکالنا نہیں۔ میں اس سے کھیلوں گا''۔ (سیرت حضرت مسیح موعودؑ صفحہ ۳۹)

بچوں کے ہم جولیوں سے سلوک

حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب بیان فرماتے ہیں:-

''میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ صاحبزادگان کے ساتھ کھیلنے والے بچوں کے ساتھ بھی اسی طرح کا سلوک فرمایا کرتے جیسے اپنے بچوں سے شفقت فرماتے۔ ایک روز آپ نے ہنس کر ایک واقعہ بیان فرمایا کہ فلاں لڑکا (جو اپنے باپ کے ساتھ

حضرت اقدس کے گھر میں رہا کرتا تھا کیونکہ اس کا باپ لنگر خانہ میں کام کرتا تھا۔عرفانی) حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد یا شریف احمد صاحب (دونوں میں سے کوئی ایک تھے۔ناقل) کہہ رہا تھا کہ ہمارا باپ تو ہم کو بہت سے آم دیتا ہے۔ صاحبزادہ صاحب موصوف نے حضرت اقدسؑ سے کہا۔حضرت اقدسؑ بہت ہنسے اور بہت سے آم صاحبزادہ صاحب کو دیے۔آپ کی غرض تھی کہ وہ اپنے ہم جولیوں میں اچھی طرح تقسیم کریں۔ یہ تو ان کے ہاتھ سے دلائے۔اور خود ان سب کو جو ساتھ ہوتے برابر حصہ دیتے اور وہ حضرت کے گھر میں ایک شاہانہ زندگی بسر کرتے۔عام سلوک میں حضرت اقدس کو کبھی کسی سے بھی فرق نہ ہوتا۔کھانے پینے کے لئے برابر پوری آزادی اور فراغت حاصل تھی۔ان کے سوا اگر ایسے موقعہ پر جبکہ آپ کوئی چیز تقسیم کر رہے ہوں۔ کوئی بچہ اور کسی کا بچہ سامنے آجاوے۔آپ اس کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرتے اور کچھ نہ کچھ ضرور عطا فرما دیتے اور یہ عادت حضور کی ہمیشہ سے تھی۔اپنی عمر کے اس حصہ میں جبکہ آپ اللہ تعالیٰ کے امر اور اذن کے ماتحت مجاہدات میں مصروف تھے بعض یتامیٰ کی خاص طور پر خبر گیری فرماتے اور اپنی خوراک کا ایک حصہ ان کو دیتے تھے''۔

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ۔صفحہ ۳۲۷،۳۲۶)

بچوں کے علاج معالجہ میں مستعدی

اکثر اردگرد کے دیہات کی مستورات اور قادیان کی عورتیں بھی اپنے بچوں کو علاج کے لئے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں لے آتی تھیں۔آپ پوری شفقت اور توجہ سے ان کا علاج فرماتے۔مولانا حضرت عبدالکریم صاحب سیالکوٹی بیان کرتے ہیں:۔

''ایک دفعہ بہت سی گنواری عورتیں بچوں کو لے کر دکھانے آئیں۔اتنے میں اندر سے بھی چند خدمت گار عورتیں شربت شیرہ کے لئے برتن ہاتھوں میں لئے آنکلیں اور آپ کو دینی ضرورت کے لئے ایک بڑا اہم مضمون لکھنا تھا اور جلد لکھنا تھا۔میں بھی اتفاقاً جانکلا۔کیا دیکھتا ہوں حضرت کمر بستہ اور مستعد کھڑے ہیں۔جیسے کوئی یورپین اپنی دنیوی ڈیوٹی پر چست اور ہوشیار کھڑا ہوتا ہے اور پانچ چھ صندوق کھول رکھے ہیں اور چھوٹی چھوٹی شیشیوں اور بوتلوں میں سے کسی کو کچھ اور کسی کو کوئی عرق دے رہے ہیں اور کوئی تین گھنٹے تک یہی بازار لگا رہا اور ہسپتال جاری رہا۔(سیرت حضرت مسیح موعودؑ۔صفحہ ۳۴،۳۵)

نرمی کا سلوک

حضرت سید فضل شاہ صاحب بیان کرتے ہیں:۔

''ایک دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام چوبارے کے صحن میں بیٹھے تھے اور بادام آگے رکھے تھے۔میں بادام توڑ رہا تھا کہ اتنے میں حضرت میاں بشیر الدین محمود احمد،جن کی عمر اس وقت چار پانچ سال کی ہوگی تشریف لائے اور سب بادام اٹھا کر جھولی میں ڈال لئے۔حضرت اقدسؑ نے یہ دیکھ کر فرمایا''یہ میاں بہت اچھا ہے۔زیادہ نہیں لے گا۔صرف ایک دو لے گا۔باقی سب ڈال دے گا۔''جب حضرت صاحبؑ نے یہ فرمایا تو میاں نے جھٹ سب بادام میرے آگے رکھ دیے اور صرف ایک یا دو بادام لے کر چلے گئے''۔

(از سوانح فضل عمر جلد اول صفحہ ۸۰،۸۱)

☆☆☆

کیا مریخ پر پانی موجود ہے؟

(مرسلہ: فہد اشرف صاحب۔ کراچی)

انسان کو اس کی جستجو ایسے ان کھلے دریچوں تک لے جا چکی ہے جو انسان کے تصور میں بھی نہ تھے۔ انسان نے جب اس بھری کائنات میں قدم رکھا تو اس نے اپنے آپ کو تنہا محسوس کیا اور اس جستجو کے تابع اس نے کائنات میں کسی دوسری جگہ زندگی کی تلاش شروع کی۔ اس تلاش کا آغاز انسان نے چاند سے کیا اور پھر چاند پر زندگی کی رمق نہ ملنے کے بعد اپنے پڑوسی سیارے مریخ جسے اس نے ازل سے سرخ سیارہ کا نام دیا اور ہمیشہ اپنے اوپر اس سیارہ کا خوف طاری رکھا پر زندگی کی تلاش شروع کی۔ آیئے ہم آج آپ کو ایسی دنیا میں لے چلتے ہیں جہاں تحقیق کو ہی زندگی مانا جاتا ہے اور جہاں کائنات کو تسخیر کرنا ہی زندگی کا مقصد ہے۔

انسان کے تابع فرمان، ناسا کے جاسوس کیمرے ۱۹۹۷ء میں خلائی مشن کے ساتھ مریخ کے مدار میں داخل ہو چکے تھے۔ دنیا سے لاکھوں میل کے فاصلے پر واقع، مریخ پر زندگی کی تلاش میں دنیا بھر کے سائنس دان اب تقریباً مایوس ہو چکے تھے اور غالباً مذکورہ خلائی مشن بھی ان بے شمار ناکام تجربات میں سے ایک ثابت ہو جاتا، جو آج تک مریخ کی تصاویر تو اتار چکے تھے مگر ان تصاویر سے یہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ وہاں پر زندگی کی ہلکی سی رمق بھی موجود ہے۔ مگر ۳۰ جون ۲۰۰۰ء کو ناسا کے سائنس دانوں نے ایک پریس کانفرنس میں دنیا پر یہ حیران کن انکشاف کیا کہ مریخ سے آمدہ تازہ ترین تصاویر میں وہاں پانی کی موجودگی کے واضح شواہد مل گئے ہیں۔ ان تصاویر میں مریخ کی سطح پر ایسا کٹاؤ موجود ہے جو سائنسدانوں کے خیال میں پانی کے بہاؤ کے علاوہ اور کسی صورت میں پیدا نہیں ہو سکتا۔

سائنسدانوں کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو اس خیال کو یہ کہہ کر مسترد کر رہا ہے کہ مریخ کے سرد موسم میں پانی کا بہنا ایک مضحکہ خیز بات ہے اور یہ کٹاؤ پانی کے بہاؤ کو ظاہر نہیں کرتا مگر اس کے باوجود ناسا کو یقین ہے کہ ان کی تحقیقاتی ٹیم ان تصاویر کی مدد سے کچھ اور انکشاف کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ یہ تصاویر خلائی کیمروں نے مریخ کے جنوبی حصے میں کھینچی ہیں اور سائنسدانوں کا یہ کہنا ہے کہ پانی سے پیدا ہونے والا یہ سطحی کٹاؤ بالکل تازہ معلوم ہوتا ہے۔

۱۹۹۳ء سے اب تک ناسا ایک ارب ڈالر سے زیادہ رقم مریخ کے ماحول اور وہاں موجود زندگی کے اثرات کی تلاش پر خرچ کر چکا ہے اور اگر مریخ پر پانی کی موجودگی کا حالیہ انکشاف آئندہ کی تحقیق سے درست ثابت ہو جاتا ہے تو سائنسدانوں کے خیال میں ایک ارب ڈالر کی رقم میں اس کامیابی کا نصیب ہونا فائدہ کا سودا ثابت ہوگا۔

سائنسدانوں کو یقین ہے کہ اگر مریخ پر پانی کی موجودگی ثابت ہوگئی تو وہاں تک انسان کی رسائی اور بھی آسان ہو جائے گی کیونکہ آکسیجن اور ہائیڈروجن کی عدم دستیابی کا خوف ہی اب تک انسان کو مریخ پر قدم رکھنے کی خواہش سے محروم رکھے ہوئے ہے۔

اگرچہ ۱۹۷۲ء میں میرینر ۹ نامی اسپیس شٹل نے بھی ایسی تصاویر بھیجی تھیں جن سے شک ہوتا تھا کہ آج کا یہ مریخ جو اپنی اب تک کی تصاویر سے ایک بنجر ریتلا صحرا دکھائی دیتا ہے آج سے لاکھوں سال پہلے یہاں ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہوا کرتا تھا اور سمندر بھی ایسا جس میں بے کراں سیلابی موجیں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ٹکراتی پھرتی تھیں مگر سائنسدانوں کا یہ سوال بھی اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ اگر یہ سمندر ہوا کرتا تھا تو یہ پانی چلا کہاں گیا؟ تازہ ترین تصاویر یہ ظاہر کرتی ہیں کہ لاکھوں سال پہلے کا

وہ سمندر مریخ کی سطح میں اتھاہ گہرائیوں تک چلا گیا اور آج بھی انہیں گہرائیوں میں کہیں نہ کہیں موجزن ہے۔

ناسا کے سائنسدان مریخ پر پانی کی موجودگی کے تازہ ترین شواہد سے اگر چہ دل ہی دل میں تو بہت زیادہ خوش ہیں لیکن اپنی اس خوشی کا اظہار وہ کھل کر نہیں کر پا رہے۔ شاید مزید انکشافات کی امید میں انہوں نے اپنی خوشی کو چھپا رکھا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ پانی کی موجودگی کا اشارہ پا لینے کے باوجود بھی انہوں نے یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ مریخ پر کوئی مخلوق موجود ہے۔ اگر ناسا کے سائنسدان جدید ترین سہولتوں سے مرصع اپنا خلائی کیمپ لے کر مریخ پر جا اتریں، تو وہاں ۳۰۰ سے ۱۳۰۰ فٹ گہرائی میں کھدائی کرنے کے بعد پانی ضرور نکالا جا سکتا ہے۔

۲۰۰۳ء میں ایک خلائی مشن پوری طرح کمر بستہ ہو کر مریخ پر جانے کے لئے ابتدائی تیاریاں کر چکا ہے اور گرین لینڈ کے علاقے میں ایک ''مریخ بیس کیمپ'' کام کر رہا ہے جہاں ان خلانوردوں کی تربیت ہو رہی ہے جو متوقع طور پر مریخ پر قدم رکھنے والے ابتدائی انسان ہوں گے۔ اس بیس کیمپ میں وہی ماحول اور وہی درجہ حرارت رکھا گیا ہے جو متوقع طور پر ان خلابازوں کو مریخ پر ملے گا۔

گرمیوں میں مریخ کا اوسط درجہ حرارت منفی ۴ ڈگری سینٹی گریڈ ہوتا ہے جو شام کے قریب منفی ۴۰ ڈگری سینٹی گریڈ تک گر جاتا ہے جبکہ سردیوں میں وہاں منفی ۱۳۰ ڈگری سینٹی گریڈ تک درجہ حرارت ریکارڈ کیا گیا ہے۔ مریخ پر ایک دن ۲۴ گھنٹے اور ۳۷ سیکنڈ پر مشتمل ہوتا ہے لیکن وہاں ایک سال ۶۸۷ دنوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ مریخ کا ڈائی میٹر (قطر) ۶۷۹۶ کلو میٹر ہے جب کہ زمین کا ۱۲۷۶۳ کلو میٹر ہے۔ مریخ کی سطح زمین سے بہت حد تک مشابہہ ہے۔ مریخ سورج سے ۲۴۹ ملین کلو میٹر کی دوری پر واقع ہے مریخ پر موجود سب سے بڑی وادی کم و بیش اتنی بڑی ہے جتنا کہ لاس اینجلس اور نیویارک کے درمیان کا فاصلہ ہے۔ مریخ کی زمین اور آسمان کا رنگ سرخی مائل ہے جس کے باعث اس سیارہ کو سرخ سیارہ کہا جاتا ہے۔ اسے ۴۰۰ قبل مسیح میں بیبلینز نے دریافت کیا اور اس کا نام نرگل رکھا گیا۔ ۱۹۷۱ء میں دنیا کے اندر ایک عجیب خوف پیدا ہو گیا۔ یہ وہ وقت تھا جب مریخ دنیا کے بہت قریب آ گیا تھا۔ ۱۷۸۴ء میں یہ یقین کیا جانے لگا کہ مریخ پر بھی انسان کی طرح کوئی زیادہ ذہین مخلوق آباد ہے۔ ۱۸۱۳ء میں یہ قیاس کیا جانے لگا کہ مریخ دنیا سے زیادہ گرم سیارہ ہے۔

مریخ کو سر کرنے کے لئے اب تک زمین سے ۳۴ خلائی مشن اوپر کی طرف جا چکے ہیں جن میں سے پانچ تو اپنے مطلوبہ ہدف تک پہنچ نہ سکے اور چار مشن خلاء میں ایسے کھوئے کہ زمین سے آج تک ان کا کوئی رابطہ ہی نہ ہو سکا اور یہ ایک معمہ ہے کہ مریخ کو سر کرنے کا عزم لے کر جانے والے وہ خلائی جہاز کہاں غائب ہو گئے۔ جو مشن مریخ کے مدار تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ان کی بھیجی ہوئی معلومات کی روشنی میں ہی انسان مریخ کے بارے میں اتنا کچھ جاننے کے قابل ہو سکا ہے۔ آج سے ۲۰۰۷ء تک مریخ کی طرف انسان کے بنائے ہوئے ۶ خلائی مشن روانہ ہونگے جو وہاں زندگی کی موجودگی کے بارے میں شواہد اکٹھے کریں گے۔

اب تک کی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اب مریخ کی سرزمین کرۂ ارض سے بہت فاصلے پر نہیں رہ گئی ہے۔ بس دیر ہے تو ان قوانین کو سمجھنے کی جو انسان کو مریخ کا بنا سکیں۔ انسان کو مریخ پر بسانے کی پوری تیاریاں مکمل ہیں، ڈاکٹر زبرن نامی مشہور امریکی خلائی سائنسدان نے گرین لینڈ کے علاقہ میں مریخ بیس کیمپ قائم کر رکھا ہے جہاں وہ خلاباز تربیت پا رہے ہیں جو مریخ پر قدم رکھنے کے لئے وہاں کالونیاں بنائیں گے اور یہ کام بہت دیر میں نہیں ہوگا۔ صرف چند دہائیوں کی بات ہے۔ پھر شاید ہم میں اور آپ میں سے کچھ لوگ مریخ پر بھی جا آباد ہوں گے اور مریخی کہلا رہے ہوں گے اور شاید انگریزی میں ہمیں مارشیز کہا جا رہا ہو۔ (بحوالہ ''اخبار جہاں'' جولائی ۲۰۰۰ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی سیرت کا ایک پہلو

طلبہ سے ہمدردی اور محبت

(عامر شہزاد وجاد آل۔ نبی سر روڈ سندھ)

طلبہ سے ہمدردی کی نادر مثال

محترم صوفی بشارت الرحمن صاحب ایک لمبا عرصہ تعلیم الاسلام کالج میں پڑھاتے رہے۔ وہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی طلبہ سے ہمدردی کا واقعہ بیان کرتے ہیں:۔

1952ء یا 1953ء کی بات ہے جبکہ کالج ڈی۔اے۔وی کالج کی بلڈنگ میں تھا اور وہیں کالج کا ہوسٹل تھا کہ ہمارے ایک طالب علم عزیزم چوہدری الطاف حسین صاحب اپنڈے سائی ٹس میں مبتلا ہو گئے۔ درد سے تڑپ رہے تھے۔ رنگ نیلا پڑ گیا۔ حالت خطرناک ہوگئی۔ ہم انہیں لے کر فوراً ہسپتال پہنچے تو وہاں سرجن آن ڈیوٹی مکرم پروفیسر قاضی مسعود احمد صاحب تھے، جنہوں نے فوری آپریشن کرنے کو کہا۔ اس پر ہم نے جناب پرنسپل صاحب (حضورؒ) سے رتن باغ لاہور میں آکر (جہاں حضور مقیم تھے) آپریشن کروانے کی اجازت طلب کی تو حضورؒ نے فرمایا آپریشن فوراً کروادیں۔ کالج کی طرف سے فوری طور پر ایک بکرا بطور صدقہ دے دیں۔ اور حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں ربوہ دعا کے لئے فوری تار دے دیں۔ ایسا ہی کیا گیا۔ آپریشن ہوا اور چند دن کے بعد عزیزم الطاف صاحب تندرست ہوکر ہوسٹل میں آ گئے"۔ (ماہنامہ "خالد" سیدنا ناصر نمبر۔ صفحہ 232)

شاگردوں سے محبت

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے بارے میں آپ کے ایک شاگرد محترم سراج الحق صاحب قریشی لکھتے ہیں:۔

"حضور کو اپنے شاگردوں سے انتہائی محبت تھی اور کالج کا ہر طالب علم اور ہر کھلاڑی حضور کی نہایت ہی عزت اور احترام کرتا تھا۔ بہت سے ایسے غریب طلباء ہوتے تھے جن میں کالج کے واجبات ادا کرنے کی سکت نہیں ہوتی تھی مگر جب وہ حضور کے پاس جاتے تو حضور اکثر و بیشتر ان کے واجبات ہی معاف فرمادیتے۔ کالج میں داخلہ کے وقت ہر طالب علم سے انٹرویو لیتے وقت حصول علم کے لئے خاص طور پر نصیحت فرماتے"۔ (حیات ناصر جلد اول صفحہ 229)

فیس معاف کردی

مکرم ڈاکٹر سلطان محمود شاہد صاحب جو تعلیم الاسلام کالج میں پڑھتے رہے اور بعد میں اس کے پروفیسر بھی رہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:۔

"1944ء میں تعلیم الاسلام کالج کا اجراء قادیان میں ہوا تو آپ اس کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ میرے ایک عزیز نے لاہور میں میٹرک کا امتحان پاس کیا تو اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ وہ قادیان جا کر کالج میں تعلیم حاصل کرے۔ مگر مالی مشکلات اس کی راہ میں حائل تھیں۔ میں اس وقت بی۔ایس۔سی پاس کر چکا

تھا۔ اور ایم۔ ایس۔ سی کے لئے علی گڑھ یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا۔ اپنے اس عزیز کی خواہش اور اُس کے والد صاحب کے کہنے پر میں اس لڑکے کو لے کر قادیان پہنچا۔ انٹرویو میں حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثالثؒ بطور پرنسپل اپنے اساتذہ کے ہمراہ بیٹھے تھے۔ حضورؒ سے میری جان پہچان نہ تھی مگر میں اپنے اس عزیز کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اس لڑکے کی میٹرک میں فرسٹ ڈویژن ہے اور شوق رکھتا ہے کہ تعلیم الاسلام کالج ہی میں پڑھے مگر یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ حضورؒ اس کی فیس معاف کر دیں۔ حضورؒ نے اس کی خواہش اور میری درخواست کو منظور فرمایا اور اس کی فیس معاف کر دی۔ تو یہ تھی مجھ پر حضورؒ کی پہلی شفقت کہ ایک طالب علم کی درخواست پر دوسرے طالب علم کی فیس معاف فرما دی''۔ (ماہنامہ "خالد" سیدنا ناصر نمبر صفحہ 183)

غیر معروف طالب علم کے ساتھ کریمانہ سلوک

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے بارے میں محترم بریگیڈیئر محمد وقیع الزمان خان صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ اگست یا ستمبر 1939ء کی بات ہے۔ یعنی حضورؒ کے مسند خلافت پر فائز ہونے سے چھبیس سال پہلے کی۔ آپ آکسفورڈ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہو کر آئے تھے اور بطور پرنسپل جامعہ احمدیہ تقرر ہوا تھا۔ میں جامعہ احمدیہ کا درجہ اولیٰ (First year) کا طالب علم تھا۔ حضورؒ کا طریق تدریس یہ تھا کہ جو مضامین ہمیں پڑھاتے تھے ان کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق کرنے کے لئے طلبہ کو ہی عنوانات دے دیتے تھے۔ جن پر وہ کورس سے باہر کی کتابوں کے مطالعہ کے بعد مقالات لکھ کر کلاس میں پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ مجھے بھی اسی قسم کا ایک مضمون ریسرچ کے لئے ملا ہوا تھا۔ اس کے لئے مجھے ایک کتاب کی ضرورت پڑی جو کسی لائبریری میں نہ ملی۔ جب میں نے حضورؒ سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا کہ یہ کتاب میری ذاتی لائبریری میں گھر پر موجود ہے لیکن چونکہ ضخیم کتاب ہے اور مجھے خود اس کی ضرورت گاہے گاہے پڑتی رہتی ہے اس لئے تم یہ کرو کہ ظہر کے بعد ایک دو گھنٹے کے لئے میرے گھر روزانہ آ جایا کرو اور وہیں بیٹھ کر پڑھ لیا کرو اور یادداشت کے لئے خلاصہ لکھ لیا کرو۔ میں نے اس خیال سے کہ ظہر کے بعد ہی حضورؒ کے لئے تھوڑا آرام کا وقت ہوتا ہے اس وقت میرے روزانہ جانے سے حضورؒ کے اور اہل خانہ کے آرام میں خلل واقع ہوگا۔ معذرت کرنی چاہی تو اصرار کے ساتھ حکم دیا کہ نہیں تمہیں ضرور آنا ہوگا۔ چنانچہ میں حاضر ہوا۔ حضورؒ نے خود اپنی لائبریری دکھائی جو ڈرائنگ روم میں تھی۔ وہ کتاب دکھائی۔ گرمی کے دن تھے شربت سے تواضع فرمائی اور میں اپنے کام میں لگ گیا۔ اس کے بعد چار پانچ ہفتے متواتر اس سلسلے میں دولت کدہ پر حاضر ہوتا رہا۔ ہمیشہ ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا پایا۔ ہمیشہ حضورؒ متبسم چہرے سے خوش آمدید فرماتے اور شربت کا گلاس بلاناغہ بھجواتے۔ ایک دفعہ بھی یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ میرے آنے سے آرام یا مصروفیت میں خلل پڑتا ہے اور یہ کریمانہ سلوک ایک غیر معروف فرسٹ ایئر کے طالب علم کے ساتھ تھا۔ جس کے ساتھ حضورؒ کا کوئی تعلق سوائے اس کے نہ تھا کہ وہ جامعہ احمدیہ کا طالب علم تھا اور حضورؒ اس کے پرنسپل تھے"۔

(ماہنامہ "خالد" سیدنا ناصر نمبر صفحہ 181-182)

* - * - * - * - * - * - * - * - * - * - *

دعا کے معجزے

(مکرم پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب)

ہم نے بچپن سے ہی اپنے اردگرد جو ماحول دیکھا اس میں دعا گوئی کا بہت چرچا تھا۔ عام لوگوں کے برعکس ہم لوگ دعا کو محض ایک روایتی لفظ نہیں جانتے تھے بلکہ ایک جیتے جاگتے رویہ کی حیثیت سے جانتے اور سمجھتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو دعا کرتے، دعائیں کرواتے اور دعاؤں پر مستحکم یقین رکھتے دیکھا تھا۔ گھر میں کوئی بیمار ہوتا تو دوا دارو کی فکر بعد میں ہوتی دعاؤں کی تحریک پہلے کی جاتی کہ فلاں کے لئے دعا کریں وہ بیمار ہے اللہ تعالیٰ اسے شفا دے۔ اس سارے معاشرہ میں دعا کی افادیت پر پختہ یقین رکھا جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ان کی توقع کے مطابق سلوک بھی کرتا اور ان کی دعاؤں کو پایۂ قبولیت تک پہنچاتا تھا۔ ہم نے قبولیت دعا کے جو معجزے اپنی آنکھوں سے دیکھے ان کا ذکر کرنا مقصود ہے۔

۱۹۴۷ء کا پرآشوب ہنگام تھا۔ ہماری بستی اردگرد کے مہاجرین سے پٹی پڑی تھی۔ بھوکے پیاسے زخمی، زخم خوردہ بے حال مہاجرین اپنے گھر بار کو چھوڑ کر اس امن کی بستی میں آبیٹھے تھے کہ یہ بستی اردگرد کے سیلاب بلا میں ایک پرامن جزیرہ تھی۔ (تفصیلات دیکھنی ہوں تو مشہور ناول نگار نسیم حجازی کا ناول خاک و خون ملاحظہ فرمائیں) اور اس بستی والے بھی ان کی حفاظت و اعانت پر پوری طرح مستعد تھے۔ اس وقت جب اس بستی والوں کے پاس بھی کوئی ظاہری حفاظت کا سامان نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے ایسے رعب داب دشمنوں پر ڈال رکھا تھا کہ وہ ادھر کا رخ نہیں کرتے تھے۔ وہاں سے بے بسوں، بے کسوں کے قافلے ایک ایک کر کے پاکستان کا رخ کرتے اور اللہ کے فضل سے بحفاظت پار اتر جاتے۔ ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا کہ اس بستی سے روانہ ہونے والے قافلہ پر راستہ میں حملہ ہوا یا انہیں کوئی گزند پہنچی ہو۔ ان کے پاس سوائے دعا کے اور کوئی ہتھیار نہیں ہوتا تھا مگر دشمن سمجھتے تھے کہ یہ قافلہ اس بستی سے روانہ ہوا ہے جو بڑی قوی اور طاقتور بستی ہے اس لئے وہ ڈر کے مارے ان سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ ہم نے اپنے بزرگوں سے دعا کے ہتھیار کا ذکر بہت سنا تھا کہ یہی کمزور کا ہتھیار ہے اور اپنی آنکھوں سے اس ہتھیار کی صلابت اور افادیت دیکھ لی۔

ہم لوگ بھی جس قافلہ کے ساتھ بزرگوں کی دعاؤں کی چھاؤں میں پاکستان کی طرف روانہ ہوئے وہ محض عورتوں بچوں کا قافلہ تھا۔ اس میں ظاہرداری کے طور پر بھی حفاظتی سامان نہیں تھا۔ نہتے بچے نہتی عورتیں۔ سارے قافلہ کے آگے آگے ایک آدھ جیپ جس میں گنتی کے چند نوجوان جن کے پاس ہتھیاروں کے نام پر ہاکیاں یا لاٹھیاں۔ کہاں بٹالہ سے بھی بارہ میل پرے سے روانہ ہونے والا قافلہ اور کہاں واہگہ تک کی مسافت۔ بٹالہ امرتسر، اٹاری۔ یہ سفر ہزاروں مہاجرین کے لئے موت کی گذرگاہ بن چکا تھا۔ کسی کو اس راستہ سے سفر کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی کہ ہمارا قافلہ اسی راستہ سے رینگتا چلتا، واہگہ تک آ پہنچا اور سارے راستہ میں ایک بار بھی خطرہ کا کوئی الارم نہیں ہوا یا دشمن کی طرف سے تعرض نہیں ہوا۔ ہاں یہ ہم نے ضرور دیکھا کہ اس سفر خوف و خطر میں دعاؤں کا بہت زور وشور رہا۔ سب لوگ زیر لب بھی

اور بلند آواز سے بھی دعائیں ہی کرتے اور پڑھتے رہے تا آں کہ قافلہ بخیریت منزل مقصود پر آپہنچا۔ ہم نے دعاؤں کی چھاؤں میں یہ سفر طے کیا تو اندازہ ہوا کہ دعا بھی کوئی چیز ہے۔

یہ تو گھر سے باہر دعاؤں پر یقین کی بات تھی۔ ہمارے ایک بزرگ تھے ان کا بیٹا بیمار تھا۔ رات کا وقت بچے کی بیماری انتہاء پر پہنچی ہوئی تھی۔ بیوی نے کہا جلدی کرو کسی ڈاکٹر کو بلاؤ ورنہ بچہ چٹ پٹ ہو جائے گا۔ کہنے لگے ایک ڈاکٹر قریب ہے اسے بلاتا ہوں۔ امید ہے وہی دستگیری کرے گا۔ مصلی بچھا کر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ دعاؤں پر دعائیں کرنے لگے تا آنکہ بچے نے جس پر نزع کا عالم تھا صحت کے عالم میں ماں کو پکارا۔ صبح تک بچہ ٹھیک اور صحت مند کہ صبح پھر کسی ڈاکٹر کو بلانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اس واقعہ بلکہ معجزہ کا ذکر بھی باہر کہیں نہ ہوا کہ یہ ایک بندے اور اس کے خدا کا ذاتی معاملہ ہے۔

ایسے معاملات بھی دیکھنے میں آئے کہ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا کہ اس مریض کا بچنا محال ہے۔ اس کے لواحقین امام وقت کے پاس حاضر ہوئے دعا کی درخواست کی اور دیکھتے دیکھتے وہ لاعلاج مریض ٹھیک ہو گیا۔ اپنے بزرگوں سے سنا کہ حیدرآباد سے ایک بچہ دینی تعلیم وتربیت کے لئے اس بستی میں پہنچا۔ باؤلے کتے نے کاٹ لیا۔ کسولی میں جہاں باؤلے کتے کے کاٹے کا علاج ہوتا تھا اسے بھیجا گیا۔ وہاں سے وہ تندرست ہو کر واپس آ گیا مگر بیماری کہیں کنہ میں موجود تھی۔ کچھ دیر کے بعد عود کر آئی۔ دیوانگی کے دورے پڑنے لگے۔ کسولی والوں کو پوچھا گیا کہ کیا کیا جائے؟ جواب آیا ایسی حالت میں کوئی علاج ممکن نہیں۔ اب سوائے دعا کے اور کیا چارہ تھا۔ مرشد نے اللہ کا در پکڑ لیا اور اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں بھی کہ دنیا کے تمام معالجین جواب دے چکے تھے معجزانہ شفا دی۔ وہ شخص مدتوں زندہ رہا۔ ہم نے اس شخص کو اپنی زندگی میں چلتے پھرتے دیکھا۔

ہم نے احمدیہ کلچر کے بارہ میں ایک مضمون لکھا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ جماعت احمدیہ کے نزدیک دعا ایک زندہ حقیقت ہے کیونکہ ہم لوگ اللہ کو حی وقیوم، حاضر وناظر، سمیع و بصیر اور مجیب جانتے ہیں۔ دوسرے یہ سمجھتے ہیں اللہ نہیں بولتا۔ ہم سمجھتے ہیں وہ بولتا ہے۔

دوسروں کو دعاؤں کی افادیت کا اس لئے یقین نہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے زندہ ہونے کا یقین نہیں۔ ہم نے ایک بین الاقوامی کانفرنس میں وہ مضمون پڑھا۔ اس میں پاکستان کے بعض مندوبین بھی آئے بیٹھے تھے۔ ایک صاحب کہنے لگے آپ وہم وگمان کی باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے کہا کم ازکم آپ تو ایسا نہ کہیں کیونکہ آپ کے سیاسی لیڈر کا عبرتناک انجام دنیا کی آنکھیں کھولنے کو کافی تھا۔ کیا آپ کو اب بھی سمجھ نہیں آتی؟ بڑبڑا کر چپ ہو گئے۔ ہمیں یاد ہے ۱۹۷۴ء کے جلسہ سالانہ پر حضرت صاحب نے درد والحاح کے ساتھ جو دعائیں بار بار با آواز بلند کی تھیں ان کا ایک عالم گواہ ہے۔ ان میں سے ایک دعا یہ تھی۔ اے خدا! ہمارے دشمنوں پر گرفت فرما اور ہماری زندگی میں ہمیں ان کا انجام دکھا۔ میرے ایک دوست جو ایک ڈویژن کے کمشنر تھے اس جلسہ میں میرے مہمان کے طور پر میرے ساتھ بیٹھے تھے۔ یہ دعائیں اور ان کے جواب میں آمین آمین کی تکرار سن کر کانپنے لگے۔ کہنے لگے اٹھو میاں یہاں سے نکلو یہ تو آسمان کو ہلائے دے رہے ہیں۔ ایسا نہ ہو آسمان ٹوٹ پڑے۔ بات رفت گزشت ہو گئی۔ ہم جاپان چلے گئے۔ وہ کمشنر صاحب بھی کہیں اور پہنچ گئے۔ جب اس حاکم کا زوال ہوا تو ان کا خط

آیا۔ لکھا تھا تمہارے امام کی بات پوری ہوگئی۔ ہم نے کہا پوری کہاں ہوئی ہے ابھی تو اس کا آغاز ہے۔ حیف کہ وہ اس وقت تک زندہ نہ رہے ورنہ دیکھتے کہ وہی گردن جو کشیدگی میں اپنی مثال آپ تھی کس طرح ٹوٹتی ہے۔ چوہدری سر ظفر اللہ خاں نے جسٹس مشتاق حسین سے کہا تھا کہ آپ تو اس کو سزا سنا کر متردد ہیں مگر میں جانتا ہوں کہ تقدیر کی چکی چل چکی ہے۔ یہ شخص پس کر رہے گا اور دنیا کی داد فریاد اس کے کام نہ آئے گی۔ کام تو اس کے بھی نہ آئی جو آسمان سے جاتا ہوا گر اور راکھ ہوگیا۔ جب دعائیں اپنا کام کرتی ہیں تو دنیا دیکھتی ہے مگر دنیا ایسی باتوں سے عبرت نہیں پکڑتی۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے ایسے معجزے ہوتے دیکھے ہیں۔ یہ معجزے ہم نے کتابوں میں نہیں پڑھے۔ کتابوں میں تو وہ پڑھیں گے جن کے لئے ہم لکھ رہے ہیں۔

روزمرہ کی بات ہم نے اپنے اردگرد دیکھی کہ ذرا کوئی اونچ نیچ ہوئی اور لوگ بزرگوں کی طرف دعا کیلئے دوڑے۔ ہمارے اپنے گھر میں ایک ایسا وجود تھا کہ لوگ دور دور سے ان کے پاس دعا کروانے کے لئے آتے تھے۔ ہمارے محلّہ کے ایک بزرگ کی دعائے مستجاب کا تو اتنا شہرہ تھا کہ لوگ محض ان سے دعا کے لئے کہنے کو دور دور کا سفر کر کے آتے تھے ان کا دروازہ کھلا رہتا۔ لوگ آتے، بیٹھتے، دعا کے لئے کہتے۔ وہ بزرگ بھی ایسے متوکل اور متیقن وجود تھے کہ سائل کے ساتھ ہی ہاتھ اٹھا لیتے کہ آیئے دعا کریں۔ اکثر صورتوں میں بتا بھی دیتے کہ دعا کا کیا اثر ہوا۔ ہم نے ایک بار اپنے کسی کام کے لئے دعا کی درخواست کی۔ فرمانے لگے خود بھی دعا کریں خود تو آپ دعا کرتے نہیں مجھ سے کہہ رہے ہیں اور یہ بات سو فیصد درست تھی۔ ہم نے دعا کا سارا بوجھ ان پر ڈال رکھا تھا اور خود دعا نہیں کی تھی۔ ایف اے کا امتحان ہم نے دیا تو دعا کے لئے کہنے گئے۔ فرمانے لگے آپ مجھ سے کیوں کہہ رہے ہیں اپنے گھر میں جو بزرگ ہے اسے کیوں نہیں کہتے۔ ہم نے کہا ان سے بھی عرض کیا ہے۔ کہنے لگے بس فکر نہ کرو انہوں نے جو دعائیں تمہارے لئے کی ہیں وہ تمہیں پار لے جائیں گی انشاء اللہ۔ وہی ہوا ہم میٹرک کے سیکنڈ ڈویژن والے اپنے کالج میں اول آئے اور وظیفہ حاصل کیا۔ بڑے بڑے اعلیٰ نمبروں والے ہم سے پیچھے رہ گئے۔ اس میں ہماری قابلیت کا کوئی دخل نہیں تھا محض بزرگوں کی دعائیں تھیں۔

ہمارے ایک غیر از جماعت دوست ایم۔ اے کے کلاس فیلو پر اچانک یہ بپتا پڑی کہ اچانک بیٹھے بیٹھائے ان کی بینائی کلیۃً زائل ہوگئی۔ جوان جہان آدمی بال بچوں والے۔ گھر میں پٹس پڑ گئی۔ ہم نے اس بپتا کا سنا تو عیادت کے لئے گئے۔ ان سے بہتیرا کہا بزرگوں سے دعا کے لئے کہو مگر ان کی ایک ہی رٹ تھی بھلا دعا سے کیا ہوگا۔ ڈاکٹر کہتے ہیں صورت حال ناقابل علاج ہے۔ مانے پر نہ مانے۔ اسی حالت مجبوری میں عمر گذاردی۔ ہمارے ایک دوست پر یہی بپتا پڑی انہوں نے اور ان کے ابا نے بزرگوں کی چوکھٹ لے ڈالی۔ اللہ تعالیٰ کا اتنا کرم ہوا کہ ان کی آنکھ کی روشنی اتنی باقی رہ گئی کہ لکھنے پڑھنے کے قابل رہ گئے اور لکھتے پڑھتے رہے۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں اور محکمہ تعلیم کے ایک اعلیٰ عہدے سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ اب بھی کہتے ہیں بزرگوں کی دعاؤں نے بچا لیا ورنہ معصیت لے بیٹھی تھی۔ جب تک وہ دعا گو بزرگ زندہ رہے ان کی خدمت میں باقاعدگی سے حاضری دیتے رہے۔ یہ تو ہماری آنکھوں دیکھی باتیں ہیں۔ دعائیں کیا ہوتی ہیں، معجزے ہوتے ہیں مگر جو لوگ نہ دیکھنا چاہیں انہیں آپ کیا روشنی دکھا سکیں گے؟

☆☆☆

اُس کی رحمت کی انتہا ہی نہیں

(مکرم سلیم شاہجہان پوری صاحب)

سوزِ دل اشک میں ڈھلا ہی نہیں
آنسوؤں میں کوئی جلا ہی نہیں

کیسے حاصل ہو منزلِ عرفاں
جب تُو اس راہ پر گیا ہی نہیں

عمر گذری ہے راستہ تکتے
اُس نے وعدہ وفا کِیا ہی نہیں

کیوں چلیں ہم بدی کی راہوں پر
کیا کوئی اور راستا ہی نہیں

ڈھونڈتا پھر رہا ہوں راہوں میں
مجھ کو ساتھی کوئی ملا ہی نہیں

کیوں نہ ہو پھر دعاؤں پر تکیہ
جب کوئی اور آسرا ہی نہیں

سارا الزام مجھ پہ دھرتے ہو
جیسے تم نے تو کچھ کہا ہی نہیں

یوں ستم ڈھا رہے ہیں دشمنِ جاں
جیسے میرا کوئی خدا ہی نہیں

ہر طرف شور ہے حریفوں کا
کوئی سنتا مری صدا ہی نہیں

جس قدر چاہو چیخ کر دیکھو
کوئی بت منہ سے بولتا ہی نہیں

روشنی کس طرف سے آتی ہے
جھونپڑے میں کوئی دیا ہی نہیں

بخش دیتا ہے سب گناہوں کو
اُس کی رحمت کی انتہا ہی نہیں

کسی دل میں نہیں غریب کا درد
کوئی اس غم میں مبتلا ہی نہیں

دل اگر صاف ہو کثافت سے
کوئی اس جیسا آئینہ ہی نہیں

اُس کے در تک رسائی کیسے ہو
تم نے مانگی کبھی دعا ہی نہیں

ہر گلی میں نشانِ پا ہیں سلیمؔ
اور منزل کا کچھ پتا ہی نہیں

خلافت ہے لطفِ خدائے منّان

☆......القرآن

وَعَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۚ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

(سورۃ النور:۵۶)

اللہ نے تم میں سے ایمان لانے والوں اور مناسب حال عمل کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو زمین میں خلیفہ بنادے گا۔ جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنادیا تھا اور جو دین اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے وہ ان کے لئے اسے مضبوطی سے قائم کردے گا اور ان کے خوف کی حالت کے بعد وہ ان کے لئے امن کی حالت تبدیل کردے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے (اور) کسی چیز کو میرا شریک نہیں بنائیں گے اور جو لوگ اس کے بعد بھی انکار کریں گے وہ نافرمانوں میں سے قرار دیئے جائیں گے۔

☆......الحدیث

عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَكُوْنُ النُّبُوَّةُ فِيْكُمْ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا عَاضًا فَتَكُوْنُ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَيَكُوْنُ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ثُمَّ سَكَتَ. (مسند احمد بن حنبل صفحہ ۲۷۳ اول مسند الکوفیین۔ حدیث نعمان بن بشیر)

حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں نبوت قائم رہے گی جب تک اللہ چاہے گا پھر وہ اس کو اٹھالے گا اور خلافت علی منہاج النبوۃ قائم ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ جب چاہے گا اس نعمت کو بھی اٹھالے گا۔ پھر اس کی تقدیر کے مطابق ایذا رساں بادشاہت قائم ہوگی۔ (جس سے لوگ دل گرفتہ ہوں گے اور تنگی محسوس کریں گے) جب یہ دور ختم ہوگا تو اس کی دوسری تقدیر کے مطابق اس سے بھی بڑھ کر جابر بادشاہت قائم ہوگی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا رحم جوش میں آئے گا اور اس ظلم و ستم کے دور کو ختم کردے گا۔ اس کے بعد پھر خلافت علی منہاج النبوۃ قائم ہوگی۔ یہ فرما کر آپ خاموش ہوگئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی

مجلس عرفان

سوال: کسی کے فوت ہونے پر گھر والوں کو کھانا کھلانے کا جورواج ہے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فوتیدگی میں کھانا بانٹنے کا تصور بالکل لغو، بے معنی اور بے جوڑ بات ہے۔ سوائے اس کے کہ صدقہ دے کوئی۔ اور آپ کسی کے مرے ہوئے کا صدقہ تو نہیں کھائیں گے اس لئے ظاہر بات ہے کہ آپ اس کو رد کر دیں گی۔ اگر لوگ یہ کہیں کہ اس کے کھانے سے فوت ہونے والے کو ثواب پہنچتا ہے تو یہ ایک بیہودہ اور لغو رسم ہے جس کا شریعت میں کوئی بھی جواز نہیں ہے اس لئے بھی اس کو رد کریں۔ ویسے بھی نامناسب بات ہے کہ دکھ کے موقع پر کھانے تقسیم کرنا ایسی بیہودہ رسم ہے اس کو توڑنا چاہیے۔

جس کا کوئی فوت ہوجائے اس کا لوگوں میں کھانا تقسیم کرنا بے معنی اور لغو بات ہے۔ اس سے پرہیز کریں۔ نہ ایسے کھانے کھائیں نہ ایسی حرکت کریں۔ جب کوئی فوت ہوجاتا ہے۔ چند دن ایسے آتے ہیں کہ ان دنوں میں ملنے والے بہت، تعزیت والے بہت، انتظام کی مشکلات اور بسا اوقات فوت ہونے والے ایسے بھی ہوتے ہیں جنہوں نے نقدی پیچھے نہیں چھوڑی ہوتی۔ اس وقت ان کے بچوں یا بیویوں کے لئے پیسے مانگنا اور گھر کے اخراجات چلانا یہ مزاج کے خلاف بات ہے۔ اس لئے وہ کھانا تعاون باہمی کا ایک اظہار ہے اگر دکھاوے سے پاک ہو۔ حضرت میر محمد اسماعیل صاحب رسموں کے بہت خلاف تھے۔ انہوں نے اس خیال سے ایک نظم لکھی جس کا ایک مصرعہ یہ تھا۔

نہ غم کے عذر سے زردے پلاؤ فرنیاں آئیں

یعنی میں جب مروں تو مجھے اس ظلم سے باز رکھنا کہ غم کے بہانے تم بڑی بڑی پُر تکلف دعوتیں بھیج رہے ہو۔ مناسب کھانا جو ایسے موقعوں کے لئے مناسب ہو بھیجنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور بعض دفعہ ہم چاول بھی ساتھ بھیج دیتے ہیں اس لئے کہ ان دنوں بعض بیمار ہوتے ہیں، اُن کے کام آجائیں۔ اور کچھ دن کے بعد اگر کچھ میٹھا بھی بھیج دیں تکلف سے پاک رہ کر تو منع نہیں ہے لیکن جہاں بھی یہ رسمیں تکلف میں داخل ہو جائیں گی اور سوسائٹی پر بوجھ بن جائیں گی وہاں منع کرنا پڑے گا۔ اس لئے حد اعتدال میں رہا کریں۔ اصل تعلیم اسلام کی حد اعتدال ہے۔ جب نظام کی طرف سے دخل دیئے جاتے ہیں تو ہمیشہ حد اعتدال کو توڑنے کی وجہ سے دیئے جاتے ہیں۔ اگر آپ مناسب حد تک محض تعاون باہمی اور ہمدردی کے طور پر اور ان لوگوں کو انتظامی مصیبتوں سے نجات دینے کے لئے چند دن ریا سے پاک رہ کر مخفی طور پر کھانے بھجوائیں تو ٹھیک ہے لیکن اگر مجمعے سج کر جائیں اور پتہ ہو کہ فلاں کے گھر آرہے ہیں تو پھر ریا کاری پیدا ہو گی اس سے بچنا چاہیے۔

سوال: قرآن خوانی کے ضمن میں ایک یہ بھی رسم ہے کہ غیر از جماعت بہنیں گھروں میں سیپارے بانٹ دیتی ہیں کہ یہ سیپارہ پڑھ کر فلاں کو بخشوا دو۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب: حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

میں پہلے بھی اس کا جواب دے چکا ہوں۔ یہ عجیب و غریب بات ہے۔ قرآن کریم تو زندوں کے لئے ہے تاکہ زندہ لوگ اس کو پڑھ کر اور اس کی تعلیم پر عمل کر کے اپنے اندر

تبدیلی پیدا کریں نہ کہ مُردوں کے لئے۔ مُردوں سے اس کتاب کا کیا تعلق ہے؟ جو زندوں کی کتاب تھی اس کو مُردوں کی کتاب میں تبدیل کرنا ظلم ہے۔

سوال: کسی فوت شدہ عزیز کو ثواب کس طرح پہنچایا جائے؟

جواب: حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

آنحضرت ﷺ کی سنت سے یہ بات ثابت ہے کہ اگر کوئی اپنی زندگی میں نیکیاں کرتا ہو اُن کو اس کی موت کے بعد بھی جاری رکھنا جائز ہے۔ اگر زندگی میں قرآن نہیں پڑھتا مرنے کے بعد اُسے قرآن بخشوایا جائے تو یہ لغو بات ہے۔ ایک شخص نے حضرت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ میری ماں صدقہ و خیرات بہت کیا کرتی تھی اور اس کی خواہش تھی کچھ دینے کی لیکن وہ اس سے پہلے فوت ہو گئی تو میرے لئے کیا حکم ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تم اس کی طرف سے صدقہ دو۔ اس کا ثواب خدا تعالیٰ اس کو دے گا۔ یعنی وہ نیکی کی نیت کرنے والی تھی لیکن موت حائل ہو گئی۔ اب اس کو جاری رکھنا منع نہیں۔ اس لئے جماعت میں اپنے بزرگوں کی طرف سے چندے دینا جائز سمجھا جاتا ہے اور اس کو کثرت سے رواج دیا جاتا ہے چنانچہ ہم بھی اپنے ماں باپ کی طرف سے چندے دیتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ دیتے تھے لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ نادہند کا چندہ میں دینا شروع کردوں اس کا اُسے ثواب ملے گا تو یہ لغو بات ہے۔ ایک آدمی خود تو ساری عمر چندہ نہ دیتا ہو اور اس کا بچہ مخلص بن جائے اور کہے میں اپنے باپ کے چندے پورے کردوں گا تو وہ اسی بچہ کے نام لگیں گے اس کے نادہندہ بزرگ کے نام نہیں لگیں گے تو جواز اس بات کا ہے کہ کسی سے جو نیکی ثابت ہو خصوصاً جو منفعت بخش نیکی ہو اس کو آگے جاری رکھنا جائز ہے اور اس کا ثواب بھی مل جاتا ہے۔

سوال: آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ بہشتی مقبرہ میں دفن ہونے والے سارے جنتی ہیں؟

جواب: حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

یہ امر واقعہ ہے کہ ہر چیز میں نلو نقصان پہنچتا ہے۔ اگر ہم یہ عقیدہ بنائیں کہ بہشتی مقبرہ میں مدفون ہر آدمی جنتی ہوگا تو عملاً یہ عقیدہ بن جائے گا کہ مجلس کارپرداز جو Certificate جاری کرتی ہے وہ گویا جنت کا پروانہ ہوتا ہے۔ یہ بات درست نہیں ہے۔ ہم اس پر ہرگز یقین نہیں رکھتے۔ بہشتی مقبرہ اصل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسمان پر قائم کیا جارہا ہے۔ تاہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نظام وصیت میں جو شخص پورے اخلاص سے شامل ہوتا ہے اور اخلاص کے ساتھ اس پر قائم رہتا ہے اور وصیت کی شرائط کو پورا کرتا ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کے متعلق یہ خوشخبری ہے کہ وہ جنتی ہیں۔ وہ بہشتی مقبرہ میں دفن ہونے سے محروم بھی رہ جائیں گے تب بھی جنتی ہوں گے۔ لیکن اگر کوئی شخص بظاہر اس قربانی کی روح کے ساتھ آگے آتا ہے اور اپنی آمد صحیح نہیں بتاتا اور دنیا کے علم کے مطابق نہیں پکڑا جاتا تو آپ کس طرح کہہ سکتی ہیں کہ وہ بہشتی ہے۔ پس یہ نیک اعمال ہیں جو کسی کو بہشتی بناتے ہیں۔ اس لئے یہ تو ہو سکتا ہے کہ کوئی دھوکا دے کر نظام وصیت میں داخل ہو جائے گا لیکن خدا کو وہ Gate crash نہیں کر سکتا اس لئے ایسا دعویٰ نہیں کرنا چاہیے۔ ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے خدا پر حسن ظن رکھتے ہیں۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ وہ شخص جس کو ساری عمر قربانی کی ایک غیر معمولی توفیق ملی اور اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی فرمائی۔ ہم اُمید کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے مغفرت کا سلوک فرمائے گا اور غالب اُمید ہے کہ وہ جنت میں جائے گا۔ لیکن دنیا میں کسی انسان کا فیصلہ خواہ وہ کسی مقام کا بھی ہو جب تک خدا اُسے خبر نہ دے دے وہ کسی کو جنتی نہیں بنا سکتا۔

(مجالس عرفان صفحہ 125 تا 139۔ شائع کردہ لجنہ اماء اللہ کراچی)

لیکچر لدھیانہ

(مکرم عبدالحق بدر صاحب)

یہ لیکچر روحانی خزائن جلد نمبر 20 میں شامل ہے اور 50 صفحات پر مشتمل ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے 4 نومبر 1905ء کو لدھیانہ میں یہ لیکچر دیا۔لدھیانہ وہی شہر ہے جہاں سب سے پہلے حضورؑ کے خلاف کفر کا فتویٰ جاری کیا گیا۔حضورؑ نے اس امر کو اپنی صداقت کا نشان ٹھہرایا ہے کہ علماء نے مل کر اس سلسلہ کو مٹانے کی کوششیں کیں مگر ان کوششوں کا نتیجہ اُلٹ نکلا اور الہامات کے مطابق اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت سلسلہ کے ساتھ ہی رہی۔حضورؑ فرماتے ہیں:۔

’’ان لوگوں کے خیال میں تھا کہ تھوڑے ہی دنوں میں یہ جماعت مردود ہو کر منتشر ہو جائے گی اور اس سلسلہ کا نام ونشان مٹ جائے گا،چنانچہ اس غرض کے لئے بڑی بڑی کوششیں اور منصوبے کئے گئے اور ایک بڑی بھاری سازش میرے خلاف یہ کی گئی کہ مجھ پر اور میری جماعت پر کفر کا فتویٰ لکھا گیا اور سارے ہندوستان میں اس فتویٰ کو پھرایا گیا......مگر میں دیکھتا ہوں اور آپ دیکھتے ہیں کہ وہ کافر کہنے والے موجود نہیں اور خدا تعالیٰ نے مجھے اب تک زندہ رکھا اور میری جماعت کو بڑھایا۔

......آج میں خدا تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ یا تو وہ زمانہ تھا کہ جب میں اس شہر میں آیا اور یہاں سے گیا تو صرف چند آدمی میرے ساتھ تھے اور میری جماعت کی تعداد نہایت ہی قلیل تھی اور یا اب وہ وقت ہے کہ تم دیکھتے ہو کہ ایک کثیر جماعت میرے ساتھ ہے اور جماعت کی تعداد تین لاکھ تک پہنچ چکی ہے اور دن بدن ترقی ہو رہی ہے اور یقیناً کروڑوں تک پہنچے گی‘‘۔

(روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 249-250 لیکچر لدھیانہ)

پھر آپ نے بڑی تحدی سے فرمایا:۔

’’میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ حضرت آدم سے لے کر اس وقت تک کے کسی مفتری کی نظیر دو جس نے 25 برس پیشتر اپنی گمنامی کی حالت میں ایسی پیشگوئیاں کی ہوں۔اگر کوئی شخص ایسی نظیر پیش کر دے تو یقیناً یاد رکھو کہ یہ سارا سلسلہ اور کاروبار باطل ہو جائے گا‘‘۔

(روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 255 لیکچر لدھیانہ)

اس لیکچر میں حضورؑ نے اپنا اور اپنی جماعت کا (دینِ حق) کے بنیادی عقائد پر ایمان رکھنے کا ذکر بھی فرمایا ہے اور تفصیل کے ساتھ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی وفات کو کتاب وسنت،اجماع اور قیاس سے ثابت فرمایا ہے۔بنیادی عقائد پر ایمان لانے کے متعلق فرماتے ہیں:۔

’’میں سچ کہتا ہوں اور خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں میں اور میری جماعت (مومن) ہے اور وہ آنحضرتؐ اور قرآن کریم پر اس طرح ایمان لاتی ہے جس طرح پر ایک سچے (مومن) کو لانا چاہیے۔میں ایک ذرہ

بھی (دین حق) سے باہر قدم رکھنا ہلاکت کا موجب یقین کرتا ہوں اور میرا ایسا مذہب ہے کہ جس قدر فیوض اور برکات کوئی شخص حاصل کرسکتا ہے اور جس قدر تقرب الی اللہ پاسکتا ہے وہ صرف اور صرف آنحضرتؐ کی سچی اطاعت اور کامل محبت سے پاسکتا ہے ورنہ نہیں!"

(روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 260 لیکچر لدھیانہ)

پھر آپؑ عقائد کے ضمن میں مزید فرماتے ہیں:۔

"میں ہرگز یقین نہیں کرتا کہ مسیح اسی جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر گئے ہوں اور اب تک زندہ قائم ہوں۔ اس لئے کہ اس مسئلہ کو مان کر آنحضرتؐ کی سخت توہین اور بے حرمتی ہوتی ہے۔ میں ایک لحظہ کے لئے اس ہجو کو گوارا نہیں کرسکتا......

اب اگر مسیحؑ کی نسبت موت کا یقین کرنا یا موت کو ان کی طرف منسوب کرنا بے ادبی ہے تو پھر میں کہتا ہوں کہ آنحضرتؐ کی نسبت یہ گستاخی اور بے ادبی کیوں یقین کرلی جاتی ہے مگر تم بڑی خوشی سے کہہ دیتے ہو کہ آپؐ نے وفات پائی۔ مولود خوان بڑی خوش الحانی سے واقعاتِ وفات کو ذکر کرتے ہیں اور کفار کے مقابلہ میں تم بڑی کشادہ پیشانی سے تسلیم کرلیتے ہو کہ آپؐ نے وفات پائی۔ پھر میں نہیں سمجھتا کہ حضرت عیسیٰؑ کی وفات پر کیا پتھر پڑتا ہے کہ نیلی پیلی آنکھیں کرلیتے ہو۔ ہمیں بھی رنج نہ ہوتا کہ اگر تم آنحضرتؐ کی نسبت بھی وفات کا لفظ سن کر ایسے آنسو بہاتے مگر افسوس تو یہ ہے کہ خاتم النبیینؐ اور سرورِ عالم کی نسبت تو تم بڑی خوشی سے موت تسلیم کرلو اور اس شخص کی نسبت جو اپنے آپ کو آنحضرتؐ کی جوتی کا تسمہ کھولنے کے بھی قابل نہیں بتاتا زندہ یقین کرتے ہو اور اس کی نسبت موت کا لفظ منہ سے نکالا اور تمہیں غضب آجاتا ہے۔ اگر آنحضرتؐ اب تک زندہ رہتے تو حرج نہ تھا۔ اس لئے کہ آپؐ وہ عظیم الشان ہدایت لے کر آئے تھے جس کی نظیر دنیا میں پائی نہیں جاتی اور آپؐ نے وہ عملی حالتیں دکھائیں کہ آدم سے لے کر اس وقت تک کوئی ان کا نمونہ اور نظیر پیش نہیں کرسکتا۔ میں تم کو سچ سچ کہتا ہوں کہ آنحضرتؐ کے وجود کی ضرورت دنیا اور مسلمانوں کو تھی اس قدر مسیح کے وجود کی نہیں تھی"۔

(روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 260-261 لیکچر لدھیانہ)

کتاب میں مذکور مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معنی
اکفر	سب سے بڑا کافر
تقرّب الی اللہ	اللہ کی قربت
شاق	سخت۔ دشوار۔ تکلیف
نیش زنی	ڈنک مارنا
وعید	سزا دینے کا وعدہ
تضرّع	گریہ وزاری۔ رونا پیٹنا
شمائل	خصلتیں۔ عادتیں۔ سیرتیں
قساوتِ قلبی	سخت دلی۔ سنگدلی
لاف	شیخی۔ بڑائی۔ خودستائی

(فرہنگ آصفیہ)

حضور انور کی خواہش کے مطابق قائدین اضلاع و ناظمین تعلیم اپنے اضلاع میں تعلیم القرآن کلاسز کا اجراء کریں اور مرکز رپورٹ بھجوائیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء (مہتمم تعلیم)

جاں سوز و جگر سوز و نظر سوز ہے گرمی

(مکرم عبدالسلام اختر صاحب)

نکلو جو کبھی صحن میں پاؤ گے فضا گرم
اور کمرے میں گر آؤ تو پنکھے کی ہوا گرم

میداں کی زمیں گرم ہے، نہروں کی فضا گرم
ہے آج لبِ آبِ چناب آب و ہوا گرم

قُمری کی صدا گرم ہے، بلبل کی نوا گرم
کلیوں کی چٹک گرم ہے، پھولوں کی ادا گرم

یہ سرو سمن گرم ہیں، یہ بادِ صبا گرم
یہ دشت و جبل گرم ہیں، یہ ارض و سما گرم

اے گرمِ سفر! آبلہ پائی سے حذر کیا
ہے آج ہر اک گرمِ سفر آبلہ پا گرم

معبود! دل افگار ہے، دل سوز ہے گرمی
جاں سوز و جگر سوز و نظر سوز ہے گرمی

غزل

کون میری بزمِ خلوت میں اچانک آ گیا
خارزارِ دشتِ دل پر ابرِ رحمت چھا گیا

وہ گلابوں کی طرح کھلتا ہے میرے چار سو
ذکر اُس کا کیا کِیا کہ موسمِ گل آ گیا

عِشق کے کون و مکاں منزل بہ منزل اک جہاں
ہر جہانِ عِشق وہ منزل بہ منزل پا گیا

میں شجر ہوں طائروں کا منتظر، مدت ہوئی
روز ڈھلتے شام کا سورج مجھے تڑپا گیا

لوگ کہتے ہیں میں اِس بستی میں تنہا ہوں مگر
ہر گلی میں میرے ہمرہ ایک سایہ سا گیا

لوگ کیونکر پوچھتے ہیں مجھ سے ہی تیرا پتا؟
مجھ کو جن کے درمیاں تُو چھوڑ کر تنہا گیا

کس نے تیرے دل کے تاروں کو چھوا عارف کہ آج
ساز اور آواز کے نغموں کا عنواں پا گیا

(ڈاکٹر عارف رفیق صاحب۔ کنری، سندھ)

☆☆☆☆☆

قسط اوّل

تیسری عالمی ایٹمی جنگ

از روئے قرآن و کتب حضرت مسیح موعودؑ

(مکرم ساجد محمود بٹر صاحب ۔ کرتو ضلع شیخوپورہ)

بیسویں صدی، تاریخ عالم میں ہمیشہ انقلابی صدی کے نام سے موسوم کی جائے گی۔ سیاسی میدان ہو یا معاشی، علم تاریخ ہو یا سائنس اور ٹیکنالوجی میں مہارت۔ غرض یہ کہ زندگی کے ہر شعبہ میں اس صدی میں دن دگنی اور رات چوگنی ترقی ہوئی ہے۔ ایک طرف انسان نے نت نئی ایجادات کے نتیجہ میں بنی نوع انسان کو سہولیات کے لحاظ سے قعر مذلت سے نکال کر بام عروج تک پہنچایا تو دوسری طرف انسانیت کے قاتلوں نے اقتدار کی ہوس میں انہیں ایجادات کے غلط استعمال کے نتیجہ میں لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔

ایٹم بم انہیں ایجادات میں سے ایک ایسی انوکھی ایجاد ہے جس کے غلط استعمال کے نتیجے میں ایسی ہولناک اور بھیانک تباہی وبربادی ہوئی کہ گذشتہ تمام تاریخ ایسی نظیر لانے سے قاصر ہے۔ ہیروشیما اور ناگاساکی اس تباہی کی زندہ مثال ہیں۔ جب ۱۹۴۵ء میں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے گئے تو زمین کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی دنیا اس کی ہولناک تباہی کا ذکر سن کر کانپ گئی اور جسموں پر لرزہ طاری ہوگیا۔

اس ہتھیار کا پہلی دفعہ استعمال ہوا تھا جس کے نتیجے میں جنگ عظیم دوم (۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء) بند ہوئی۔ جنگ بند ہونے کے بعد دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں ایٹمی دوڑ شروع ہوئی۔ کیونکہ ہر کسی کو معلوم تھا کہ جس کے پاس ایٹم بم ہوگا جنگ میں پلڑا اسی کا بھاری ہوگا۔ چنانچہ ۱۹۴۵ء سے لے کر آج تک بیسیوں نہیں بلکہ سینکڑوں ایٹمی تجربات ہو چکے ہیں اور ترقی یافتہ ممالک کے پاس جوہری ہتھیاروں کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ یہ ساری تیاریاں جنگ عظیم سوم کے لئے ہو رہی ہیں۔ اس لئے اب ہونے والی عالمی جنگ پہلے ہونے والی جنگوں کی طرح نہیں ہوگی بلکہ یہ ایٹمی جنگ ہوگی جس میں اتنا نقصان ہوگا کہ انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

قرآن کریم اور حضرت مسیح موعودؑ نے اس ایٹمی جنگ کا نقشہ اپنی پیشگوئیوں میں کھینچا ہے اور اس کی ہولناک اور لرزہ خیز تباہی کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اس ایٹمی جنگ کے متعلق پہلے میں قرآنی پیشگوئیاں تحریر کرتا ہوں، بعد میں حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئیاں درج کروں گا۔

پیشگوئی نمبر ۱

خدا تعالیٰ نے سورۃ القارعۃ میں اس جنگ کا مکمل نقشہ کھینچا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اَلْقَارِعَةُ ○ مَا الْقَارِعَةُ ○ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ○ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ○ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ○ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ○ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ○ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ○ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ○ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ ○ نَارٌ حَامِيَةٌ ○

"(دنیا پر) ایک شدید مصیبت (آنے والی ہے) اور تجھے کیا معلوم کہ وہ مصیبت کیسی ہے اور (پھر ہم کہتے ہیں کہ اے مخاطب!) تجھے کیا معلوم ہے کہ یہ (عظیم الشان مصیبت کیا چیز ہے۔ (یہ مصیبت جب آئے گی)۔ اس وقت لوگ پراگندہ پروانوں کی طرح (حیران پھر رہے) ہوں

گے اور پہاڑ اُس ریشم کی مانند ہو جائیں گے جو دھنکی ہوئی ہوتی ہے۔ اُس وقت جس کے (اعمال کے) پلڑے بھاری ہونگے وہ تو (بہترین اور) پسندیدہ حالت میں ہوگا اور جس کے (اعمال کے) پلڑے ہلکے ہوں گے۔ اس کا ٹھکانہ ہاویہ (یعنی جہنم) ہوگا اور (اے مخاطب!) تجھے کیا معلوم ہے کہ یہ (ہاویہ) کیا ہے۔ یہ ایک دہکتی ہوئی آگ ہے"۔

(ترجمہ از تفسیر صغیر۔ سورۃ القارعۃ)

اس سورۃ میں جس عذاب کا ذکر کیا گیا ہے اُس کی نشانیاں ایٹم بم سے پیدا شدہ تباہی و بربادی کے مطابق ہیں۔ چنانچہ جب ہیروشیما اور ناگاساکی پر بم گرایا گیا ہے تو بعینہ یہی نظارہ دیکھنے میں آیا جس کا نقشہ قرآن کریم نے یہاں کھینچا ہے۔

القارعۃ سے ایٹم بم مراد ہے

حضرت مصلح موعود آیت "وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"میں پہلے خیال کیا کرتا تھا کہ ان آیات میں توپخانوں اور موجودہ زمانہ کی ان ہلاکت آفرین ایجادوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن سے عام طور پر لڑائیوں میں کام لیا جاتا ہے۔ مگر اب میں سمجھتا ہوں کہ "القارعۃ" سے ایٹم بم مراد ہے اور اس عذاب کی ساری کیفیت ایسی ہے جو ایٹم بم سے پیدا شدہ تباہی پر پوری طرح چسپاں ہوتی ہے۔ یہ بم ایسا خطرناک اور تباہ کن ہے کہ اس سے بچنے کی سوائے اس کے اور کوئی صورت نہیں کہ لوگ منتشر اور پراگندہ ہو جائیں۔ یہ بم جس جگہ گرتا ہے سات سات میل تک کا تمام علاقہ خس وخاشاک کی مانند جلا کر راکھ کر دیتا ہے بلکہ ایٹم بم کے متعلق اب جو مزید تحقیق ہوئی ہے وہ بتاتی ہے کہ سات میل کا بھی سوال نہیں۔ چالیس چالیس میل تک یہ ہر چیز کو اڑا کر رکھ دیتا ہے۔ ہیروشیما پر ایٹم بم گرایا گیا تو بعد میں جاپانی ریڈیو نے بیان کیا کہ اس بم سے ایسی خطرناک تباہی واقعہ ہوئی کہ انسانوں کے گوشت کے لوتھڑے میلوں میل تک پھیلے ہوئے پائے گئے ہیں۔ یہ بالکل وہی حالت ہے جس کا قرآن کریم نے ان آیات میں ذکر فرمایا ہے کہ انسانوں کا وجود تک باقی نہیں رہے گا۔ ہڈی کیا اور بوٹی کیا سب باریک ذرات کی طرح ہو جائیں گے۔ اور پتنگوں کی مانند ہوا میں اڑتے پھریں گے"۔

(تفسیر کبیر جلد نہم صفحہ ۵۱۵ تفسیر سورۃ القارعۃ)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ان آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"یہاں Atomic Warfare کا ذکر ہے۔ خصوصاً رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے انسان کو اس قارعۃ کا کوئی تصور بھی نہیں تھا۔ جس قارعۃ کی طرف یہ سورۃ اشارہ کر رہی ہے۔ یعنی اس آخری قارعۃ کی طرف ۔ یہی وہ وقت ہوگا جب وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۔ بڑی بڑی طاقتور حکومتیں اور طاقت کے پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے۔ دھنی ہوئی روئی میں کوئی طاقت نہیں ہوتی...... وہ جب بھی ہاتھ مارو، چھلانگ مارو بیٹھ جائے گی اُسی وقت اور پریشان ٹڈیوں کی طرح انسان ہو جائے گا۔ ساری دنیا کے انسان بکھیر دیئے جائیں گے۔ اس خوفناک، ہولناک آواز کے ذریعہ جس کو آواز کہا جا رہا ہے۔ مراد ہے Atomic Bomb...... چنانچہ جیتے گا کون؟ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ o فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ o۔ دنیا کے لحاظ سے جس کے وزن بھاری ہونگے...... جو زیادہ ہولناک تباہی کے ذرائع ایجاد کر سکیں۔ ان کو جمع کر سکیں گے۔ وہ دنیوی لحاظ سے تو وہ جیتیں گے۔ یعنی بالآخر ایک

کوتو غلبہ نصیب ہوگا۔ وہ کون لوگ ہونگے؟ جو باہمی موازنے میں زیادہ وزنی ہونگے۔ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ میں بھی وہی مضمون ہے۔ جس کا دوسرا پہلو بیان فرمایا جارہا ہے۔ جن قوموں کے پاس دفاعی طاقتیں کم ہونگی۔ ان کا کیا حال ہوگا۔ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ۔ ان کے مقدر میں تو پھر جلنا ہی ہے'' (ترجمۃ القرآن کلاس نمبر ۳۰۵)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی "وَمَا اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝" کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

''اسی طرح نَارٌ حَامِيَةٌ کے ایک یہ معنے بھی ہوسکتے ہیں کہ وہ آگ اُن پر غضب کرنے والی ہوگی۔ نار خود اپنی ذات میں جلانے والی چیز ہے لیکن نار کے ساتھ جب حَامِيَةٌ کا لفظ ملا دیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ آگ اپنی انتہائی شدت کو پہنچ جائے گی۔ پس نَارٌ حَامِيَةٌ کہہ کر اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ تم اسے معمولی آگ نہ سمجھو۔ وہ ایسی خطرناک ہوگی کہ یوں معلوم ہوگا وہ انتہائی غضب کی حالت میں لوگوں پر حملہ کررہی ہے''۔ (تفسیر کبیر جلد نہم صفحہ ۵۲)

چنانچہ ایٹم بم کے دھماکہ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی حرارت اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس حرارت کا ذکر کرتے ہوئے جو ہیروشیما پر ایٹم بم گرائے جانے کے وقت پیدا ہوئی تھی محمد اسلم ڈوگر صاحب اپنی کتاب ''مغربی میڈیا کا اسلامی بم'' میں لکھتے ہیں:۔

''31,600 فٹ کی بلندی پر بٹن دبا دیا گیا (یہ بم جہاز کے ذریعہ گرایا گیا تھا۔ ناقل)..... بم زمین پر گرنے سے پہلے ہی ایک خوفناک دھماکے سے پھٹ گیا۔ بم کے پھٹتے ہی درجہ حرارت 180 ملین ڈگری سینٹی گریڈ تک پہنچ گیا۔ یہ سورج کے درجہ حرارت کا دس گنا تھا۔ مگر یہ درجہ (حرارت) مختصر سے وقفے کے لئے تھا۔ اگر یہ درجہ حرارت چند منٹوں کے لئے بھی برقرار رہتا تو ہیروشیما کی ہر شے بخارات کی صورت میں تحلیل ہوجاتی مگر اس کے باوجود ایک میل کے دائرے میں پختہ عمارات کی بالائی چھتیں پگھل کر زمین بوس ہوگئیں۔ شدید درجہ حرارت کی وجہ سے ہلکی ہوا اوپر اُٹھ گئی۔ اس خلا کو پورا کرنے کے لئے چاروں طرف سے زوردار آندھی شروع ہوگئی۔ جس کا رُخ ایٹم بم کے نشانے کی طرف تھا۔ یہ خوفناک آندھی مسلسل چھ گھنٹے چلتی رہی ......اس آندھی کی وجہ سے آگ بھی لگی جو آناً فاناً شہر میں پھیل گئی۔ فلک بوس عمارتیں ملبے کا ڈھیر بن گئیں۔''

(''مغربی میڈیا کا اسلامی بم'' صفحہ نمبر ۳۲۷)

پاکستان نے ضلع چاغی میں جو ایٹمی دھماکہ کیا اس کے مرکزی حصہ کا درجہ حرارت 10 کروڑ درجہ سنٹی گریڈ کے لگ بھگ تھا..... سورج کے گرم ترین مرکزی حصہ سے بھی کئی گنا زیادہ۔ (''کہوٹہ سے چاغی تک'' صفحہ ۱۵)

چنانچہ یہ ''نَارٌ حَامِيَةٌ'' کا زندہ جاوید ثبوت ہے جو مکمل طور پر ایٹم بم پر ہی چسپاں ہوتا ہے۔

ہولناک ہتھیار کی لرزہ خیز تباہ کاریاں

ایٹم بم کی تباہی کا اندازہ 6 اگست 1945ء کو ہیروشیما پر گرائے گئے ایٹم بم سے ہوسکتا ہے۔ اس دھماکہ سے شہر کی 70 ہزار کے قریب عمارات ملیامیٹ ہوگئیں۔ تقریباً اتنے ہی افراد موقع پر ہلاک ہوگئے اور مجموعی طور پر اس دن ایک لاکھ افراد موت کے منہ میں گئے۔ اس کے بعد اموات کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا جو برس ہا برس تک چلتا رہا۔ 1950ء تک مرنے والوں کی تعداد دو لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ تابکاری اثرات سے اب بھی بچے جسمانی نقائص کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔ اس

کے علاوہ جاپان کے دوسرے شہر "ناگاساکی" پر چند دن کے بعد دوسرا ایٹم بم پھینکا گیا جس سے تیس ہزار افراد مرے۔ تھوڑے مرنے کی وجہ اس شہر کی آبادی کا مختلف اونچی نیچی پہاڑیوں پر پھیلا ہوا تھا جس کے باعث زیادہ تباہ کاری نہیں ہوئی۔ ناگاساکی پر پھینکا جانے والا بم "پلوٹینیم بم" تھا"۔ ("کھوٹہ سے چاغی تک" صفحہ ۱۶۵)

چنانچہ اس خطرناک تباہی کے نتیجے میں جاپانیوں کو اتحادیوں کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑے۔ ان دو ہتھیاروں نے جاپان جیسی بڑی طاقت کو جس کے پاس نوے لاکھ فوج تھی (تفسیر کبیر جلد نہم صفحہ ۵۱۶) اور جو ساری دنیا پر حکومت کرنے کے خواب دیکھ رہی تھی، اتحادیوں کے سامنے سر جھکانے پر مجبور کر دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی جنگ عظیم دوم ختم ہو گئی۔

انتہائی مایوس کن ایٹمی دوڑ

امریکہ نے 16 جولائی 1945ء کو نیو میکسیکو کے صحرا میں ایٹم بم کا تجربہ کیا تھا اور اسی سال اگلے مہینے 6 اگست 1945ء کو جاپان پر اسے پھینک کر ہولناک تباہی پھیلائی تھی۔ اب ساری دنیا پر جنگی لحاظ سے امریکہ کو برتری حاصل تھی۔ چنانچہ دوسری بڑی طاقتوں خصوصاً روس کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اگر ہم نے ایٹم بم حاصل نہ کیا تو امریکہ ساری دنیا میں من مانی کرے گا۔ چنانچہ روس کے سائنسدانوں نے دن رات محنت کر کے 1949ء میں ایٹمی دھماکہ کر دیا۔ حقیقت میں اس وقت ایٹمی دوڑ شروع ہوئی۔ امریکہ کو روس کی اس کامیابی پر سخت دھچکہ لگا چنانچہ اس نے ایٹمی توازن کو اپنے حق میں کرنے کے لئے برطانیہ کو ایٹمی ٹیکنالوجی حاصل کرنے میں مدد دی۔ 1952ء میں برطانیہ نے ایٹمی دھماکہ کر دیا۔ اس کے آٹھ سال بعد 1960ء میں فرانس اور 1964ء میں چین نے ایٹمی دھماکہ کیا۔ (کھوٹہ سے چاغی تک)

اس وقت بڑی طاقتوں کو فکر دامن گیر ہوئی کہ اگر یہ دوڑ اسی طرح جاری رہی تو دنیا تیسری عالمگیر جنگ کی صورت میں تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایٹمی ٹیکنالوجی والے ممالک پر یہ پابندی لگا دی کہ کسی غیر ایٹمی ملک کو ایٹمی ٹیکنالوجی مہیا نہیں کرنی۔ لیکن اس پابندی کے باوجود بھارت نے اپنے مخالف چین کے ہم پلہ ہونے کے لئے 1974ء کو ایٹمی دھماکہ کر دیا۔ اب پاکستان کو فکر دامن گیر ہوگئی کہ ایٹم بم کے بغیر ہم بھارت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ پاکستانی سائنسدانوں نے دن رات محنت کر کے ایٹمی ٹیکنالوجی کا حصول کیا اور 1980ء کی دہائی میں اس نے ایٹم بم بنا لیا تھا (بعض لوگوں کے نزدیک۔ اس سے قبل) مئی 1998ء کو جب بھارت نے دوبارہ ایٹمی تجربات کئے تو اسی مہینے 28 مئی 1998ء کو پاکستان نے بھی ضلع چاغی میں پانچ ایٹمی دھماکے کر کے ایٹمی ممالک کی فہرست میں اپنے آپ کو شامل کر لیا۔ چاغی میں جو ایٹمی دھماکے کئے گئے ان میں سے سب سے طاقتور 40 کلوٹن قوت کا تھا۔ کلوٹن کا مطلب ہے "ایک ہزار ٹن" یعنی دس لاکھ کلوگرام۔ اس لحاظ سے 40 کلوٹن 4 کروڑ کلوگرام بنتا ہے۔ ایٹم بم کا اپنا وزن چند سو کلوگرام سے زیادہ نہیں تھا لیکن اگر اس کی جگہ روایتی یعنی بارود والا بم چلایا جاتا تو اسی شدت کا دھماکہ کرنے کیلئے اس میں 4 کروڑ کلوگرام بارود استعمال کی جاتی۔ (کھوٹہ سے چاغی تک۔ صفحہ ۵۹)

اب تک امریکہ نے ایک ہزار ایٹمی تجربات کئے ہیں۔ (ایضاً صفحہ ۴۰)

لیکن افسوس ان انسانیت کے دشمنوں پر کہ انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایٹم بم سے بھی زیادہ مہلک، زیادہ زہریلا اور زیادہ خطرناک ہتھیار انہوں نے ایجاد کر لیا۔ اس ہتھیار کا نام "ہائیڈروجن بم" ہے۔ امریکہ اور روس کے پاس 100 میگاٹن سے بھی زیادہ قوت کے ہائیڈروجن بم موجود ہیں۔ ان کی قوت

ہیروشیما والے بم سے 5000 گنا زیادہ ہے۔اور ہائیڈروجن بم کی تباہ کاری اس سے بھی زیادہ ہے۔(مغربی میڈیا کا اسلامی بم صفحہ ۳۸۲)

ایک میگاٹن قوت کا دھماکہ ایک ہزار کلوٹن یعنی ایک ارب کلوگرام بارود کے دھماکے کے برابر ہوتا ہے۔(کھونڈ سے چاغی تک صفحہ ۵۹) لیکن امریکہ اور روس کے پاس تو سو سو میگاٹن کے ہائیڈروجن بم ہیں۔اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر مستقبل میں کوئی ایٹمی جنگ ہوئی تو دنیا کا کیا حشر ہوگا۔

”ایٹم (بم) کے مقابلہ میں روسی سائنس دانوں نے ہائیڈروجن بم کی تیاری میں سبقت حاصل کرلی اور 21 اگست 1952ء کو ہائیڈروجن بم کا دھماکہ کرکے دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔امریکہ بھی اس معاملے میں پیچھے نہیں رہا یکم نومبر 1952ء کو اس نے بھی ہائیڈروجن بم کا دھماکہ کردیا“۔

(جہان لوح وقلم از قمر اجنالوی صفحہ ۳۲۹،۳۳۰)

”24 اگست 1968ء کو فرانس نے ہائیڈروجن بم کا دھماکہ کیا۔برطانیہ نے ہائیڈروجن کی ٹیکنالوجی اختیار نہیں کی جب کہ چین اس میں بھی شامل ہوچکا ہے“۔(ایضاً ۳۳۰)

پہلی اور دوسری عالمگیر جنگوں کی طرح تیسری عالمی جنگ فضاؤں،سمندروں،میدانوں اور پہاڑوں پر نہیں لڑی جائے گی۔بلکہ یہ صرف چند مخصوص کمروں میں بیٹھ کر لڑی جائے گی۔صرف بٹن دبانے کے نتیجے میں پوری دنیا اس کی لرزہ خیز تباہ کاریوں سے ہل جائے گی اور بھیانک ترین ہولناکیاں آنکھ جھپکنے میں ہوجائیں گی۔

یَوْمَ یَکُوْنُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ٥ وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِھْنِ الْمَنْفُوْشِ ٥

کا وحشت ناک نظارہ پہلے سے کہیں بڑھ کر شدت اور طاقت اور تباہ کاری میں دکھائی دے گا اور نَارٌ حَامِیَۃٌ کی پیشگوئی پہلے سے بڑھ کر شان سے پوری ہوگی۔

پیشگوئی نمبر۲

کَلَّا لَیُنْبَذَنَّ فِی الْحُطَمَۃِ ٥ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْحُطَمَۃُ ٥ نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ ٥ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَۃِ ٥ اِنَّھَا عَلَیْھِمْ مُّؤْصَدَۃٌ ٥ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ ٥ (الھمزۃ ۵تا۱۰)

”ہرگز ایسا نہیں (جیسا کہ اس کا خیال ہے بلکہ) وہ یقیناً (اپنے مال سمیت) حطمہ میں پھینکا جائے گا۔اور (اے مخاطب!) تجھے کیا معلوم ہے کہ یہ حطمہ کیا شے ہے؟ یہ (حطمہ) اللہ کی خوب بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔جو دلوں کے اندر تک جا پہنچے گی۔پھر وہ (آگ) سب طرف سے بند کردی جائے گی تا کہ اس کی گرمی ان کو اور بھی زیادہ تکلیف وہ محسوس ہو۔اور (وہ لوگ اس وقت) لمبے ستونوں کے ساتھ بندھے ہوئے ہونگے“۔(تفسیر صغیر)

حُطَمَہ ایٹم ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ان آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

”اس (سورۃ۔ناقل) میں یہی بڑی بڑی قومیں جو آج دنیا پر مسلط ہیں وہی مذکور ہیں..... کَلَّا لَیُنْبَذَنَّ فِی الْحُطَمَۃِ۔وہ نارحامیۃ کیا چیز ہے؟

اب اس کی تشریح شروع ہوگئی ہے آگے سے۔وہ ضرور حطمہ میں گرایا جائے گا۔اب حطمہ کیا چیز ہے؟ حطمہ کی تمام لغات چھان کر جو میں نے تشریح دیکھی ہے ہر ایک میں جو سورج کی شعاع جو گذر رہی ہوتی ہے اس میں جو ذرّے ہوتے ہیں اس کو حطمہ کہتے ہیں۔یا ایک چیز کو کوٹ کوٹ کر اتنا چھوٹا کردیا جائے کہ اس سے چھوٹی ہونہ سکے۔اس کو حطمہ کہتے ہیں۔تو لَیُنْبَذَنَّ فِی الْحُطَمَۃِ۔حطمہ میں گرایا جائے گا۔اب بتا و حطمہ میں

خلافت سے زندہ دلوں میں خدا

ہمارا خلافت پہ ایمان ہے یہ ملت کی تنظیم کی جان ہے

اسی سے ہر اک مشکل آسان ہے گریزاں ہے اس سے جو نادان ہے

رہیں گے خلافت سے وابستہ ہم جماعت کا قائم ہے اس سے بھرم

نہ ہوگا کبھی اپنا اخلاص کم بڑھے گا اسی سے ہمارا قدم

خلافت سے زیر نگیں ہو جہاں خلافت سے ملت ہمیشہ جواں

خلافت کا جب تک رہے گا قیام نہ کمزور ہوگا ہمارا نظام

خلافت کا جس کو نہیں احترام زمانے میں ہوگا نہ وہ شاد کام

تمنائیں اس سے ہیں اپنی جوان ہے آسان اس سے ہر اک امتحان

خلافت سے زندہ دلوں میں خدا خلافت غریبوں کا ہے آسرا

نہ کیوں جان و دل سے ہوں اس پر فدا اسی کے ہے دم سے ہماری بقا

(محترم میر اللہ بخش تسنیم صاحب)

کیسے گرایا جاسکتا ہے۔ سوائے اس کے کہ حطمہ کو "ایٹم" پڑھیں۔ چونکہ وہاں ایٹم لفظ تو عربی میں موجود نہیں تھا مگر حطمۃ تھا۔ تو "ح" گرجایا کرتی ہے تو سیدھا سادھا ترجمہ یہ بنتا ہے کہ وہ ایٹم میں گرایا جائے گا اور ایٹم میں واقعی جھونکا جاتا ہے۔ اگلی آیات اس کی تائید کررہی ہیں۔ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۔ یہ تو سب عربوں کو پتہ تھا کہ کیا ہوتا ہے۔ جو سورج کی شعاع میں ذرے لٹکے ہوئے نظر آتے ہیں اس کو سارے عرب جانتے تھے۔ تبھی تو عربی گرامر نے اس کا ذکر کیا ہوا ہے۔ پھر خدا کیوں کہتا ہے کہ تجھے کیا پتہ کہ حطمہ کیا ہے؟ وہ ایٹم والا جو حطمہ ہے اس کی واقعی کسی انسان کو خبر نہ تھی۔

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۔ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ ۔ ان ذروں میں آگ بھری ہوئی ہے۔ اب ان چھوٹے چھوٹے ذروں میں آگ کیسے بھری ہوئی ہوسکتی ہے۔ وہ ایٹم میں آگ بھری ہوتی ہے اور کس طرح آگ بھری جاتی ہے اس کی تفصیل پوری قرآن کریم نے کھینچ دی ہے۔ اس سے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی..... الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ ۔ جو دلوں پر لپکے گی۔ یعنی وہ آگ ایسی ہے جو کہنا تو یہ چاہیئے کہ جسم کو جھلسائے گی۔ مگر دلوں پر لپکے گی، کا مطلب ہے اس آگ کی لپک سے دل پہلے مریں گے اور جسم بعد میں جھلسائے جائیں گے اور بعینہ یہی چیز Atomic Explosion کے نتیجہ میں ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل میں نے اپنی اس کتاب میں سائنسدانوں کے حوالے سے بیان کی ہے کہ جب بھی Atomic Explosion ہوتا ہے وہ Radiation کی قسمیں جو پہلے زیادہ تیز رفتار ہیں X-rays وغیرہ۔ وہ گرمی کی لہروں سے پہلے پہنچتی ہیں۔ وہ لہریں جو گرمی کا احساس یعنی جلن پیدا کرتی ہیں ان سے پہلے وہ لہریں پہنچتی ہیں جو دھماکہ پیدا کرتی ہیں اور دلوں کو ایک دم ماؤف، ختم کردیتی ہیں۔ ان کی دھمک سے دل مارے جاتے ہیں۔ یہ ایسی صورت ہے۔ جیسے ایک اچانک ڈرانے کے لئے آواز نکالی جاتی ہے۔ بعض دفعہ کمزور دل کا آدمی اس آواز سے مرجاتا ہے۔ وہ آواز اتنی خوفناک ہوگی یعنی دھماکہ اس کا اتنا خوفناک ہوگا کہ اس کے نتیجے میں کمزور دل تو کمزور دل، ہر دل کمزور ہوگا۔

اس کے مقابل پر..... اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۔ یقیناً وہ ان کے خلاف بند رکھی گئی ہے..... فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۔ ایسے ستونوں میں جو کھینچ کر لمبے کئے گئے ہوں۔ بتائیں پہلے ذکر چل رہا تھا ذروں کا۔ پھر ستونوں میں وہ کونسی آگ ہوتی ہے جسے کھینچ کر لمبا کیا گیا ہے؟ سوائے اٹامک بم کے کسی چیز پر یہ جو قرآن کریم کا نقشہ ہے اطلاق پا ہی نہیں سکتا.....

ایٹم کے اندر جو بھی مواد ہے جب وہ پھٹنے پر آتا ہے۔ پہلے وہ جس طرح سوتلی کاتی ہوئی درمیان میں سے موٹی دونوں طرف سے پتلی ہوجاتی ہے۔ اس طرح جس طرح کھینچا جائے ایک چیز کو یا ستون کھینچے جائیں۔ ایسی شکل ہوجاتی ہے، ایٹم کے مادے کی۔ یعنی ان دھاتوں کی جن سے ایٹم بم بنانا مقصود ہو اور جتنے سائنسی رسالے یا کتابیں ہیں وہ جب اس کی تصویر اتارتے ہیں تو یہ جو نقشہ ہے، جو اپنی آنکھوں سے آپ دیکھ رہے ہیں بعینہ یہی تصویر..... تن کر لمبا ہوجاتا ہے اور بیچ کا حصہ اس کا موٹا اور کناروں کا پتلا اور پھر وہ پھٹ جاتا ہے۔ محفوظ رکھی گئی ہے۔ صاف پتہ چلتا ہے کہ اگر یہ ایٹم بم بناتے ہی پھٹ جائے تو کوئی بھی نہیں بچ سکتا" (ترجمۃ القرآن کلاس نمبر ۳۰۵)

پیشگوئی نمبر۳

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍo يَّغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌo

"پس تو اس دن کا انتظار کر جس دن آسمان پر ایک کھلا کھلا دھواں ظاہر ہوگا۔ جو سب لوگوں پر چھا جائے گا۔ یہ دردناک عذاب ہوگا۔ (الدخان ۱۱،۱۲)

تفسیر صغیر میں حضرت مصلح موعود اس آیت کے حاشیے میں فرماتے ہیں:۔

"یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ اس آیت میں ایٹم بم، ہائیڈروجن بم کا ذکر ہے۔ جن کے پھٹنے پر تمام جوّ میں دھواں پھیل جاتا ہے اور ان بموں کو اس وقت سائنس دان قیامت کا پیش خیمہ بتارہے ہیں"۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ان آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"پس انتظار کر اس دن کا، جب آسمان ایک واضح دھواں لائے گا۔ یہاں دخان سے مراد وہ دھواں ہے جو دجال کے زمانے میں خدا تعالیٰ کی طرف سے Atomic Explosion کے نتیجے میں نکالا جائے گا۔ اس دھویں کی تعریف میں قرآن کریم کی دوسری آیات بتاتی ہیں کہ وہ جہاں سے گذرے گا وہاں موت کا پیغام دے گا اور بظاہر دھوئیں کا سایہ ہوا کرتا ہے لیکن وہ عذاب آگ سے نجات دینے والا ثابت نہیں ہوگا۔ تو یہی وہ دھواں ہے جس کی طرف میں سمجھتا ہوں۔ یہاں اشارہ ہے کہ وہ دن جب اُن پر چڑھے گا۔ فَارْتَقِبْ انتظار کر اس دن کا۔ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ۔ آسمان ایک کھلا کھلا دھواں لائے گا۔ يَّغْشَى النَّاسَ وہ لوگوں کو ڈھانپ لے گا......اب آنحضرت کو جو انتظار کا حکم دیا گیا اس سے یہ مراد نہیں کہ آپ کی زندگی میں ہی یہ دھواں آجانا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ کے زمانہ میں یہ واقعہ ضرور ہو کر رہنے والا ہے۔ پس رسول اللہؐ کے انتظار میں آخرین میں پیدا ہونے والے لوگ بھی شامل ہیں اور یہ دھواں ضرور رسول اللہؐ کے نمائندوں کو دکھایا جائیگا۔ ان کے دیکھتے میں یہ عذاب ضرور دنیا پر نازل ہوگا۔ اور بڑے رقبوں پر پھیل جائے گا۔ جن پر پھیلے گا، ان رقبوں کو زندگی سے عاری کردے گا۔ یہ نتیجہ اس آیت کا حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئیوں سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ ان الہامات سے جو آپ کو آنے والے دنوں کے عذاب کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو عطا کئے، ان میں سے یہ بھی ہے، حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر، کہ ایسا عذاب آنے والا ہے وہ زمین کو، ان خطوں کو زندگی کی ہر قسم سے خالی کردے گا۔ جراثیم بھی مرجائیں گے۔ ہر چیز ختم ہوجائے گی۔ اب یہ عذاب دخان مبین کے سوا ہو ہی نہیں سکتا۔ اسلئے حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت کے دیکھتے میں Atomic Explosion اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے دھویں کو چلنا زمین کے بڑے خطوں کا زندگی سے عاری ہوجانا مقدر ہے"۔

(ترجمۃ القرآن کلاس نمبر ۲۵۵ تاریخ ریکارڈ ۹۸/۷/۷)

جب ۱۶ جولائی ۱۹۴۵ء کو نیومیکسیکو کے صحرا میں ایٹم بم کا تجربہ ہوا تو ایک بہت بڑا بادل اُٹھا اور چالیس ہزار فٹ کی بلندی تک جا پہنچا۔ اس نے راستے میں حائل بادل بالکل غائب کردیئے۔ (مغربی میڈیا کا اسلامی بم صفحہ ۳۷)

تیسری جنگ عظیم کے وقت یہ نظارہ اس تجربہ سے کہیں بڑھ کر ہوگا۔

(باقی آئندہ)

حضرت شہزادہ عبدالمجید صاحب لدھیانوی

(مکرم رضوان احمد طیب صاحب۔ ربوہ)

حضرت شہزادہ عبدالمجید صاحب لدھیانوی کابل کے مشہور شاہی درّانی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا خاندان ہجرت کر کے لدھیانہ آ گیا اور شاہی پناہ گزین کی حیثیت سے آپ کے خاندان کو کئی پشتوں تک پنشن ملتی رہی۔ آپ نے اگرچہ ناز و نعمت میں پرورش پائی تھی مگر طبیعت میں شروع ہی سے سادگی اور درویشی غالب رہی۔ آپ درویشوں اور صلحاء کی صحبت کو پسند کرتے تھے۔

گورنمنٹ ہائی سکول لدھیانہ سے رسمی تعلیم حاصل کر کے دینی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت صوفی احمد جان صاحب لدھیانوی کی صحبت کو اختیار کیا اور تصوف و سلوک کی منزلیں طے کرنے لگے۔ آپ وظائف میں مصروف رہتے جو حضرت صوفی صاحب کے حلقہ درس کا نصاب تھا۔ علاوہ ازیں آپ نے ڈپٹی کمشنر لدھیانہ کے دفتر میں ملازمت اختیار کی جہاں اپنے فرائض ہمیشہ دیانتداری اور محنت سے سرانجام دیتے رہے۔ (ماہنامہ انصار اللہ نومبر ۲۰۰۰ء ص ۲)

حضرت مسیح موعودؑ کی زیارت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا علم آپ کو حضرت صوفی احمد جان صاحب کے ذریعہ ہوا۔ حضورؑ کی زیارت اور ملاقات کا ذکر حضرت شہزادہ عبدالمجید صاحب لدھیانوی نے یوں فرمایا:۔

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت سب سے اوّل بار اس خاکسار کو لدھیانہ محلہ صوفیاں میں نصیب ہوئی۔ جبکہ حضرت ممدوح مسافرانہ طور پر چند روز کے واسطے شہر مذکور میں فروکش ہوئے تھے..... حضور کی مجلس عالی متعالی میں ہر قسم کے دینی مسائل کا تذکرہ ہوا کرتا تھا اور لوگ حقائق و معارف کے خزائن سے مالا مال ہوتے تھے چنانچہ ایک دن کسی شخص کے سوال پر حضورؑ نے مسئلہ توحید پر گفتگو فرمائی اور برابر چند گھنٹے تک آپ کی تقریر ہوتی رہی۔ از بسکہ حضورؑ کی اعجازی تقریر میں روحانیت کا دریا بہتا ہوا نظر آتا تھا اور علماء و صوفیائے شہر نے کبھی بھی وہ علوم اور معارف کے نکات نہ کسی کتاب میں پڑھے تھے اور نہ کبھی کسی نے سُنے تھے۔ اس واسطے علماء و صوفیائے شہر نے حضورؑ سے استدعا کی کہ حضورؑ ان کو اپنی بیعت میں داخل فرمائیں۔ مگر چونکہ حضور علیہ السلام ان دنوں بیعت لینے پر جناب الٰہی کی طرف سے مامور نہیں تھے اس واسطے حضور نے یہ جواب ارشاد فرمایا کہ لَسْتُ بِمَامُوْرٍ یعنی میں خدا تعالیٰ کی طرف سے بیعت لینے پر مامور نہیں ہوں۔ اس جواب کے سننے پر ارادت مندوں کے دلوں پر نہایت اداسی طاری ہو گئی مگر چونکہ حضورؑ کا جواب نہایت معقول تھا۔ اس واسطے باوجود نہایت تڑپ اور اشتیاق کے پھر کسی نے بیعت پر اصرار نہیں کیا اور اس جواب کے بعد حضورؑ فوراً بھری مجلس سے اٹھ کر باہر سیر کے لئے تشریف لے گئے''۔

جب بیعت کے متعلق آپ کو اذن ہوا تو شہزادہ صاحب کو اس کی اطلاع ہوئی آپ فوراً بیعت کے لئے پہنچے اور آپ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ (ماہنامہ انصار اللہ نومبر ۲۰۰۰ء)

آپ پر مقدمہ

حضرت شہزادہ عبدالمجید خان صاحب پر مولوی عبدالعزیز

لدھیانوی نے ،جن کو سلسلہ احمدیہ کے ساتھ بے حد عناد تھا، ایک فوجداری استغاثہ عرضی کا مقدمہ دائر کردیا اور اس کی بناء ایک اشتہار تھا۔ یہ مقدمہ خارج ہوگیا۔ حضرت شہزادہ صاحب فرماتے ہیں:۔

''عاجز انہیں دنوں قادیان گیا۔حضرت اقدسؑ نے مقدمہ کا حال پوچھا۔عاجز نے عرض کیا کہ حضور مدعی نے خود ہی مقدمہ کو چھوڑ دیا۔ حالانکہ اس نے بڑے اہتمام سے وہ مقدمہ اٹھایا تھا اور ان کی جماعت نے پورا پورا زور مقدمہ کی پیروی میں خرچ کیا۔مگر خدا تعالیٰ نے مدعی کے دل میں ایسا رعب ڈال دیا کہ اس نے مقدمہ چھوڑنے کے سوا چارہ نہ دیکھا۔پھر میں نے عرض کیا کہ مقدمہ میں ناکام ہونے کے علاوہ اس کا بڑا رشید پردیس میں مرگیا، جس سے اس کا بازو ٹوٹ گیا۔ یہ بات سن کر حضورؑ نے فرمایا کہ یہ تو آپ کی کرامت ظاہر ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ حضور یہ تمام ذلت اور ناکامیابی کے دکھ کی مار جو فریق مخالف کو نصیب ہوئی ۔ یہ صرف حضور ہی کی دعا سے ہوئی''۔ (ماہنامہ انصاراللہ مئی ۲۰۰۹ء)

قربانی کا تذکرہ

ملکہ وکٹوریہ کے جشن جوبلی کے موقع پر آپ کی طرف سے ہونے والی قربانی کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

''ملکہ وکٹوریہ کا جشن جوبلی منانے کے لئے قادیان میں سوا دو صد احباب باہر سے تشریف لائے۔ قادیان میں اظہار مسرت وتشکر کے طور پر جلسہ منعقد ہوا جس میں چھ زبانوں میں تقاریر کی گئیں۔ چندہ جمع ہوا۔غرباء کو کھانا کھلایا گیا۔ باوجود سخت گرمی کے چارپائیاں نہ مل سکنے کے باعث احباب تین دن تک زمین پر ہی سوتے رہے۔ چنانچہ اس موقع پر حضرت منشی ظفر احمد صاحب، حضرت منشی اروڑے خاں صاحب اور حضرت عبدالمجید خان صاحب نے بھی شرکت کی اور دو دو روپے چندہ دیا۔ اس تقریب پر سیدنا حضرت اقدسؑ نے ایک کتاب تحفہ قیصریہ تالیف کی۔ جسے طبع کرا کے اس کی چند جلدیں نہایت خوبصورت مجلّد کرا کے ملکہ وکٹوریہ، وائسرائے ہند اور لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کو بھجوائیں''۔

((رفقاء)احمد جلد چہارم صفحہ ۳۰۔۲۹)

خدا کی راہ میں مصائب

حضرت مصلح موعود نوراللہ مرقدہ نے آپ کو دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں ایران بھیجا جہاں آپ دشمنوں کی طرف سے پہنچائی جانے والی تکالیف کا نشانہ بنتے اور آپ تنگ کئے جاتے لیکن آپ اس کی بالکل پرواہ نہ کرتے اور لوگوں کو پیغام حق پہنچاتے رہتے۔

''ایک روز آپ خیابان پار چنار میں جارہے تھے کہ ایک خبیث نے پیچھے سے پکڑ کر دبا لیا۔ چونکہ آپ جسم کے بہت نازک اور پھر بڑھاپے کی وجہ سے بہت کمزور تھے اور قریب تھا کہ آپ کی کوئی پسلی ٹوٹ جائے کہ ایک شخص نے اس کو پکڑ کر بہت برا بھلا کہا اور وہ شرمندہ ہوکر چلا گیا۔

آپ کو آپ کے مہربان دوست عموماً کہا کرتے تھے کہ آپ رات کے وقت باہر نہ نکلا کریں کیونکہ بعض خبیث چاہتے ہیں کہ آپ کو مار ڈالیں، لیکن آپ فرماتے کہ مجھے موت کا بالکل ڈر نہیں۔صبح وشام باقاعدہ دعوت الی اللہ کے لئے جایا کرتے تھے اور کوئی موقع بھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ایک روز آپ دعوت الی اللہ کے لئے جارہے تھے کہ چند آدمیوں کی ٹولی نے آپ کے گرد گھیرا ڈال لیا اور آپ دعوت الی اللہ میں

مشغول رہے۔ اتنے میں ایک شخص نے آپ کو دھکا دیا۔ خدا کی قدرت کہ اس ٹولی میں سے ایک شخص نے دھکا دینے والے کو وہیں پیٹا...... لوگ آپ کو ''پیر مرد دیوانہ است'' کہتے تھے''۔ (انصار اللہ جون ۲۰۰۰ صفحہ ۳۱)

دعوت الی اللہ کے لئے قربانی

حضرت شہزادہ صاحب حضرت مصلح موعود کے ارشاد کے تحت ذاتی خرچ پر ایران تشریف لے گئے اور وہیں انہوں نے وفات پائی۔ ان کے متعلق مرزا برکت علی صاحب (احمدی ورکس سپروائزر آبادان علاقہ ایران) نے ایک احمدی بھائی سے معلوم کر کے حالات لکھے ہیں۔ جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ شہزادہ صاحب موصوف نے باوجود بڑھاپے اور اخراجات کی مشکل کے خدا تعالیٰ کی راہ میں کس جوانمردی اور استقلال سے اپنی قربانی پیش کی۔

(انصار اللہ مئی ۲۰۰۰ء صفحہ ۳۰)

وفات کا ذکر

حضرت شہزادہ صاحب کی وفات ۲۲ فروری ۱۹۲۸ء کو ہوئی تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے آپ کی وفات کی اطلاع پا کر مورخہ ۲۳ مارچ ۱۹۲۸ء خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

''ان لوگوں میں سے جن کو خدا تعالیٰ نے خاص قربانیوں کی توفیق محض اپنے فضل سے عطا فرمائی۔ ایک ہمارے شہزادہ عبدالمجید صاحب تھے آپ حضرت مسیح موعود کے ابتدائی رفقاء میں سے تھے اور غالباً بیعت کرنے والوں میں ان کا نام نواں ہے۔ حضرت مسیح موعود سے ان کو پرانا تعلق تھا۔

شہزادہ صاحب پہلے صوفی احمد جان کے مرید تھے...... صوفی صاحب بہت بزرگ تھے...... اللہ تعالیٰ نے ان کے خاندان کو اور ان کے بہت سے مریدوں کو حضرت مسیح موعود کی بیعت کی توفیق دی۔ شہزادہ صاحب ان مریدوں میں سے تھے۔ زندہ قومیں جانتی ہیں کہ قوم کی خاطر مرنے والوں کی کیا قدر کرنی چاہیے۔ پس ہمارا فرض ہے کہ ان کا اعزاز اور احترام کریں جو دین کی خدمت کرتے ہوئے فوت ہوں اور ایسا اعزاز کریں کہ ہماری نسلیں محسوس کریں کہ دین کی خدمت کرتے ہوئے مرنا بہت بڑی عزت ہے......''

(خطبات محمود جلد ۱۱ صفحہ ۳۲۲ تا ۳۲۶)

حضور مزید فرماتے ہیں:۔

''ایران کے لئے مبارک بات ہے کہ وہاں خدا تعالیٰ نے ایسے شخص کو وفات دی جسے زندگی میں دیکھنے والے ولی اللہ کہتے تھے اور جسے مرنے پر شہادت نصیب ہوئی''۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۳ مارچ ۱۹۲۸ء)

ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ شہزادہ صاحب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''حضرت شہزادہ عبدالمجید صاحب ضعیف العمر بزرگ اور قدیم رفقاء میں سے تھے اور نہایت اخلاص سے اپنے خرچ پر آئے تھے۔ مگر یہاں آ کر خرچ ختم ہو گیا۔ پیچھے کوئی جائیداد نہیں تھی۔ مرکز سے مستقل مالی امداد ان کو نہیں دی جا رہی تھی۔ آپ معمولی سی صف اور نہایت مختصر بستر پر رات بسر کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ کپڑے دھونے کے لئے صابن کا خرچ نہیں رہتا تھا۔ بایں ہمہ آپ نے آخر دم تک اپنے عہد کو نبھایا اور بے لوث خدمات سے باقاعدہ جماعت قائم کر لی۔ شہزادہ عبدالمجید صاحب افغانستان کے شاہی خاندان سے تھے اور شاہ شجاع کی نسل سے تھے۔ آپ نہایت نیک اور متوکل انسان تھے''۔ (روزنامہ الفضل جون ۲۰۰۰ء)

☆☆☆

تبصرہ کتب

"بہتر ہے اقبال اپنے قلم کو روک لیں"

نام کتاب: "بہتر ہے اقبال اپنے قلم کو روک لیں" ناشر: شیخ محمد یوسف ایڈووکیٹ غوثیہ کالونی، قصور

88 صفحات پر مشتمل یہ کتاب مکرم شیخ عبدالماجد صاحب کی تصنیف ہے۔

9 نومبر 2000ء کو "یوم اقبال" کے حوالہ سے روزنامہ "جنگ" کراچی میں مکرم راحت جمیل صاحب کا ایک مضمون بعنوان "شاعر مشرق اپنے آبائی شہر کے آئینہ میں" شائع ہوا۔ اس مضمون میں علامہ اقبال کے بارہ میں بعض تاریخی حقائق کو چھپا کر حقیقت کے برعکس تاثر دینے کی کوشش کی گئی۔ اس مضمون میں بتایا گیا کہ اقبال کے محلہ دار اور دوست مکرم سید حامد شاہ صاحب (رفیق حضرت مسیح موعود علیہ السلام) نے اقبال کو احمدیت کا پیغام دیا۔ جواباً اقبال نے 1902ء میں ایک طویل نظم لکھی جس میں تحریک احمدیت کو حقارت سے ٹھکرا دیا۔ بایں ہمہ مضمون نگار نے یہ تاثر دیا ہے کہ اس کے بعد آخر دم تک اقبال احمدیت کے مخالف رہے۔

مکرم شیخ عبدالماجد صاحب نے اس مضمون کے جواب میں یہ کتاب لکھ کر تاریخی صداقتوں کی روشنی میں حقیقت کو بے نقاب کیا ہے۔ سب سے پہلے روزنامہ "جنگ" میں شائع شدہ مضمون کا تجزیہ پیش کیا ہے کہ اس میں کن امور سے عمداً پہلوتہی کی گئی ہے اور کون سے امور حقائق کے برخلاف بیان کئے گئے ہیں۔ نیز اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ علامہ اقبال کی نظم کے جواب میں حضرت سید حامد شاہ صاحب نے بھی ایک نظم لکھ کر اقبال کو بھجوائی اور اس کے ساتھ ایک تمہیدی نوٹ بھی لکھا جس میں اقبال کو مخاطب کر کے شاہ صاحب نے فرمایا کہ آج تک اس مرد آسمانی یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بالمقابل جو بھی آیا خدا تعالیٰ نے اس کا انجام اچھا نہیں کیا۔ اس لئے "**بہتر ہے شیخ صاحب (علامہ اقبال) اپنے قلم کو روک لیں اور اپنے زور طبیعت کے لئے اور میدان پسند کر لیں**"۔ اس نوٹ کے بعد کتاب میں دونوں نظمیں بھی درج کی گئی ہیں۔

ازاں بعد 1905ء سے لے کر 1935ء تک احمدیت کے حق میں اقبال کے طرز فکر و عمل کی سن وار تفصیل بیان کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ نظم اقبال نے محض ایک وقتی جذبہ کے تحت لکھی تھی اور اس کے بعد 1935ء تک مسلسل تیس سال وہ احمدیت کے حق میں رہے۔ کتاب کے آخری حصہ میں "اقبال کے نظریات پر تحریک احمدیت کے اثرات" کے تحت حوالہ جات پیش کر کے اس بات کا ثبوت دیا گیا ہے کہ اقبال اپنے بیشتر مذہبی نظریات میں جماعت احمدیہ سے اتفاق رکھتے تھے۔

اس کتاب کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اہم حوالہ جات کی عکسی تصویر بھی دے دی گئی ہے تاکہ قارئین سچائی کو یقین کے ساتھ معلوم کر سکیں۔ یاد رہے کہ کتاب کے مصنف مکرم شیخ عبدالماجد صاحب کی اقبال پر اس سے قبل بھی درج ذیل کتب شائع ہو چکی ہیں۔ ۱۔ اقبال اور احمدیت ۲۔ فکر اقبال اور تحریک احمدیت

(فرخ شاد)

☆☆☆☆☆☆
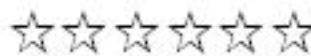
حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ

(توقیر احمد آصف ۔ دار الحمد فیصل آباد)

حضرت شیخ سعدیؒ کا شمار ایران کے عظیم صوفی شعراء و ادباء میں ہوتا ہے۔ آج بھی آپ کی لکھی ہوئی کتب دنیا میں بڑے شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔ آپ کی شہرت آپ کی زندگی میں ہی ایران سے نکل کر عالم اسلام میں پھیل چکی تھی تاہم حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے اردو کلاس میں سعدی کا ذکر خیر کر کے انہیں زندہ جاوید کر دیا۔

نام: شیخ سعدیؒ کی عظمت اور مقبولیت کے باوجود ان کی زندگی کے صحیح اور مکمل کوائف نہیں ملتے۔ ان کے نام اور تاریخ پیدائش کے بارے میں مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ انڈیا آفس لائبریری لندن میں کلیات سعدیؒ کا ایک قدیم نسخہ موجود ہے جو سعدیؒ کی وفات کے صرف سینتیس (۳۷) برس بعد لکھا گیا۔ اس نسخہ کے مطابق شیخ سعدیؒ کا نام مشرف الدین بن مصلح الدین عبد اللہ ہے۔ اسی نام پر محققین و مورخین متفق ہیں۔

تاریخ پیدائش: شیخ سعدیؒ ایران کے شہر ''شیراز'' میں پیدا ہوئے۔ سعدیؒ کی تاریخ پیدائش بھی مختلف لوگوں کے نزدیک مختلف ہے۔ سعدیؒ کا ایک شعر ہے۔

اے کہ پنجاہ رفت در خوابی
مگر ایں پنج روز دریابی

یعنی اے شخص تیری عمر کے پچاس سال گزر چکے ہیں اور تو ابھی تک سو رہا ہے (بیدار ہو) شاید تو (باقی ماندہ) پانچ دنوں ہی کو پالے۔

اس شعر سے پتہ چلتا ہے کہ ''گلستان'' لکھتے وقت سعدیؒ کی عمر پچاس برس تھی۔ ''گلستان'' کا سن تصنیف ۶۵۶ ھ ہے اس لحاظ سے شیخ سعدیؒ کا سن ولادت ۶۰۶ ھ بنتا ہے۔

خاندان: شیخ سعدیؒ کا تعلق شیراز کے ایک با اثر خاندان سے تھا۔ ان کے والد فارس کے دربار سے وابستہ تھے۔ وہ سعدیؒ کے بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ شیخ سعدیؒ نے اپنی حکایتوں میں کئی جگہ اپنے والد کا ذکر کیا ہے۔ ان حکایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک عالم باعمل انسان تھے اور اپنے بیٹے کی تربیت سے کسی دم بھی غافل نہ رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سعدیؒ کو بچپن سے ہی زہد و عبادت کا چسکا پڑ چکا تھا۔ شیخ سعدیؒ کی والدہ بھی دیندار خاتون تھیں۔ ایک حکایت میں سعدیؒ ماں کے ساتھ حسن سلوک کا سبق دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''ایک دفعہ جوانی کی جہالت کے سبب سے میں اپنی والدہ کے ساتھ گستاخی سے بولا۔ وہ دل آزردہ ہو کر ایک کونے میں بیٹھ رہیں اور رو کر کہنے لگیں کہ تیری کمزوری کے زمانہ میں میں نے کس طرح تیری دیکھ بھال کی اور اب میرے بڑھاپے میں تو سخت کلامی کرتا ہے جبکہ اب میں کمزور ہوں''۔

تعلیم: شیخ سعدیؒ نے ابتدائی تعلیم شیراز میں حاصل کی۔ ان کے زمانہ میں شیراز کے اندر کئی بڑے بڑے مدرسے موجود تھے لیکن شیراز میں امن و سکون نہ تھا۔ اس لئے سعدیؒ نے بغداد کا رخ کیا جہاں کا مدرسہ نظامیہ عالم اسلام میں منفرد حیثیت رکھتا تھا۔ اس مدرسہ میں شیخ سعدیؒ نے

تحصیل علم شروع کیا۔ وہاں ان کے لئے کچھ وظیفہ بھی مقرر ہوگیا تھا۔

سیروسیاحت: سعدیؒ کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک بے قرار دل اور بے چین طبیعت کے مالک تھے۔ انہیں کسی ایک جگہ قرار نہ تھا۔ حصول علم کے بعد انہوں نے سیروسیاحت شروع کی اور اپنی عمر کا قابل ذکر حصہ اس کام میں گزارا۔ سیروسیاحت کے مختلف مقاصد ہوتے ہیں جو مقصد پیش نظر ہو سیاح اسی نظریہ سے تمام چیزوں کو دیکھتا ہے۔ شیخ سعدیؒ شاعر بھی تھے، صوفی بھی، فقیہہ بھی تھے، واعظ بھی۔ سنجیدہ بھی تھے اور شوخ طبع بھی۔ اس لئے وہ جہاں بھی گئے وہاں کے حالات انہوں نے ہر پہلو سے دیکھے۔ شیخ سعدیؒ کی گلستان اور بوستان اسی لئے اتنی معروف ہوئیں کہ انہوں نے یہ بڑے وسیع تجربات کے بعد لکھیں۔

خودداری: شیخ سعدیؒ بہت خوددار انسان تھے۔ ایک دفعہ اسکندریہ میں قحط پڑا۔ سعدیؒ بھی وہاں مقیم تھے۔ لوگ فاقوں مر رہے تھے۔ ایک دولتمند ہیجڑے نے سب لوگوں کے لئے اپنا دسترخوان وسیع کر رکھا تھا۔ سعدیؒ کے دوستوں نے ان سے کہا کہ مخنث کی دعوت میں چلنا چاہیے مگر شیخ سعدیؒ کی خودداری نے گوارا نہ کیا اور کہا:

نہ خورد شیر ، نیم خوردۂ سگ
ور ز سختی بمیرد اندر غار

''یعنی شیر کتے کا جوٹھا نہیں کھاتا خواہ مصیبت میں غار کے اندر ہی مر جائے''۔

ایک دفعہ شیخ صاحب نے لوگوں کی صحبت سے تنگ آ کر بیت المقدس کے صحرا میں بادیہ نوردی شروع کر دی۔ وہاں عیسائیوں نے پکڑ لیا اور طرابلس میں خندق کھودنے کے کام پر لگا دیا۔ وہاں سے ایک قدیم دوست کا گزر ہوا اس نے فدیہ دے کر چھڑا لیا اور پھر سو (۱۰۰) اشرفی مہر پر اپنی بیٹی کے ساتھ سعدیؒ کی شادی کر دی۔ لیکن صاحبزادی نہایت شوخ اور زبان دراز تھیں۔ ایک دن سعدیؒ سے کہنے لگی تم اپنی ہستی بھول گئے ہو۔ تم وہی ہو کہ میرے باپ نے دس دینار دے کر تمہیں چھڑایا۔ شیخ سعدیؒ نے کہا ''ہاں! دس دینار دے کر چھڑایا لیکن سو دینار کے عوض پھر گرفتار کرا دیا''۔

طویل مدت کی سیروسیاحت کے بعد بالآخر شیخ سعدیؒ وطن لوٹے۔ اس وقت فارس میں اتابک ابوبکر سعد زنگی تخت نشین تھا۔ اس کے زمانے میں فارس میں امن وامان قائم ہوا۔ جابجا مدرسے اور درسگاہیں کھلیں۔

آخری عمر میں شیخ سعدیؒ شیراز کے قریب ایک خانقاہ میں گوشہ نشین ہو گئے اور ۶۹۱ھ میں اسی خانقاہ میں وفات پائی۔ اور اسی جگہ دفن ہوئے۔

تصانیف : سعدیؒ کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:۔

گلستان، بوستان، قصائد عربی وفارسی، دیوان غزلیات و قدیم غزلیں وغیرہ۔

گلستان سعدی: ان میں سے گلستان اور بوستان کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔ ''گلستان'' کی خصوصیات بطور خاص درج ہیں جن کی وجہ سے شیخ سعدیؒ کا نام اتنا مقبول ہوا۔ گلستان کی زبان نہایت سادہ، آسان اور دلکش ہے۔ الفاظ اور جملوں کا استعمال اتنا خوبصورت ہے کہ اگر ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ آ جائے تو عبارت کی خوبی ختم ہو جائے۔ نثر میں بھی عبارات قافیہ وار لکھی گئی ہیں جس سے خوبصورتی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ شیخ سعدیؒ کا انداز بیان اس قدر دلکش اور شیریں ہے کہ پڑھنے اور سننے والوں پر گہرا

اثر کرتا ہے۔گلستان میں سعدیؒ کے زیادہ مخاطب بادشاہ ہیں جن کے جوروستم کو دور کرنے کے لئے انہیں سمجھانا کسی کے بس کی بات نہیں تھی ،لیکن شیخ سعدیؒ نے بہت پیارے انداز میں بادشاہوں کو نصیحت کی ہے۔مثال کے طور پر وہ یہ حقیقت بیان کرنا چاہتے ہیں کہ بادشاہ اچھی بات پر ناراض اور بری بات پر خوش ہو جاتے ہیں۔ان کی اس دکھتی رگ کو شیخ سعدیؒ نے اس طرح پکڑا ہے کہ ایک دوست بادشاہ کے دربار میں ملازمت کرنا چاہتا ہے۔شیخ سعدیؒ اسے کہتے ہیں:

"کبھی تو وہ سلام کرنے پر ناراض ہو جاتے ہیں اور کبھی گالی پر خلعت دے دیتے ہیں"۔

شیخ سعدیؒ نے چند لفظوں میں بڑے وسیع مطالب بیان کئے ہیں۔مثلاً ایک بادشاہ ایک فقیر سے خوش ہوتا ہے اور اسے کچھ دینا چاہتا ہے ۔ وہ کہتا ہے **"دامن بیار"** یعنی دامن پھیلا۔ فقیر اس کے جواب میں کہتا ہے **"دامن ازکجا آرم کہ جامہ ندارم"** کہ دامن کہاں سے لاؤں میرے پاس تو کپڑا ہی نہیں۔یوں چھوٹا سا فقرہ غربت کا سارا حال بیان کر دیتا ہے۔"گلستان" کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ شیخ سعدیؒ نے اس میں نثر کے ساتھ ساتھ نظم کا استعمال بھی کیا ہے۔اس سے مضمون زیادہ دلچسپ اور موثر ہو گیا ہے۔فارسی اشعار کے ساتھ عربی اشعار۔آیات قرآنی۔احادیث نبویہ اور بزرگوں کے اقوال بھی استعمال کئے ہیں جو ان کی وسعت علم اور نادر الکلامی کی دلیل ہیں۔بہت سے اشعار یا اشعار کے مصرعے بذاتِ خود محاورے بن گئے ہیں۔مثلاً

نہ بینی کہ چوں گربہ عاجز شود
برآرد بچنگال چشم پلنگ

یعنی کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بلی جب عاجز آجاتی ہے تو پنجے سے چیتے کی آنکھ نکال لیتی ہے۔

عاقبت گرگ زادہ گرگ شود
گرچہ با آدمی بزرگ شود

یعنی بھیڑیئے کا بچہ بالآخر بھیڑیا ہی ہوتا ہے خواہ وہ آدمی کے ساتھ رہ کر بڑا ہو۔

راستی موجب رضائے خداست
کس ندیدم کہ گم شدہ از راہ راست

یعنی سچائی خدا کے راضی ہونے کا سبب ہے۔میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ سیدھے راستے پر چل کر بھٹکا ہو۔

بعض جملے بھی اپنے مطلب کی جامعیت اور طرز ادا کی بلاغت کی وجہ سے محاورے بن گئے ہیں۔

توانگری بہ دل است نہ بمال
بزرگی بعقل است نہ بسال

یعنی امارت دل سے ہوتی ہے مال سے نہیں۔بزرگی عقل سے ہوتی ہے عمر سے نہیں۔

محالست کہ ہنر مندان بمیرند
وبی ہنران جای ایشان بگیرند

یعنی یہ ناممکن ہے کہ ہنر مند مر جائیں اور بے ہنر ان کی جگہ لے لیں۔

شیخ سعدیؒ کی ہر بات اپنے اندر کوئی نہ کوئی سبق رکھتی ہے اور پڑھنے والے کے دل پر گہرا اثر کرتی ہے۔سعدیؒ کی باتیں حقیقت سے قریب تر ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کی کتب کو اتنی پذیرائی حاصل ہوئی۔"گلستان سعدیؒ" کے کل آٹھ باب ہیں جن میں ۱۸۰ سے زائد حکایتیں ہیں۔قارئین کو یہ کتابیں ضرور پڑھنی چاہئیں۔

مسکرائیے

ڈاکٹر کی شہرت

ایک مریض نے ایک کمپاؤنڈر سے کہا بھئی! تمہارے ڈاکٹر صاحب کی بڑی شہرت سنی ہے۔ اب تک تو میرا ایسے ڈاکٹروں سے واسطہ پڑتا رہا ہے کہ اگر مریض کو ملیریا ہے تو اس کا انتقال نمونیے سے ہوتا تھا۔

کمپاؤنڈر نے جواب دیا۔ ہمارے یہاں ایسی صورت نہیں ہے۔ یہاں اگر ملیریا کا مریض آتا ہے تو اس کا انتقال بھی ملیریا سے ہوتا ہے۔

مخلصانہ تلقین

ایک مقدمہ میں ایک ملزم کو پھانسی کی سزا ہوگئی اس کے وارثوں نے رونا پیٹنا شروع کردیا اور کہا کاش! عمر قید ہی ہوجاتی۔ منشی نظام الدین نے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا پھانسی کی سزا میں اسے چند منٹ کی تکلیف ہوگی اگر عمر قید ہوتی تو ساری عمر جیل میں گزرتی مونجی کوٹتا اور چکی پیستا وارثان یہ مخلصانہ تلقین سن کر ہکا بکا رہ گئے۔

نشانہ

ایک دوست: یہ کوئی نئی بات نہیں کہ میری بیوی نے مجھ پر چیزیں پھینکی ہیں وہ تو ہمیشہ یہی کچھ کرتی آئی ہے۔

دوسرا دوست: لیکن تم نے اس سے پہلے تو کبھی نہیں بتایا۔

پہلا دوست: اس سے پہلے اس کا نشانہ چوک جاتا تھا۔

صحافت کی مہارت

اخبار کا مطالعہ کرتے ہوئے قاری نے اس میں اپنی موت کی خبر دیکھی تو حیران رہ گیا۔ اخبار کے دفتر میں فون کیا تو ایڈیٹر اپنی سیٹ پر موجود نہ تھا اسسٹنٹ ایڈیٹر سے اس حماقت کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے جواب دیا۔

معاف کیجئے گا جناب ہم تردید نہیں چھاپ سکتے اس سے ہمارے وقار کو دھچکا لگے گا۔ اگر ہمارا اخبار یہ لکھتا ہے کہ آپ مر چکے ہیں تو آپ واقعی مرحوم ہیں اور اس سلسلہ میں ہم آپ کی کوئی مدد نہیں کرسکتے۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ کل کے اخبار میں آپ کی پیدائش کی خبر دے دیں۔

کوفتے

ویٹر! ایک پلیٹ کوفتے لے آؤ۔

بہتر جناب کوفتوں کے ساتھ کچھ اور منگوانا پسند کریں گے؟

ہاں! اگر کوفتے پچھلے ہفتے جیسے ہی ہوں تو ساتھ ہتھوڑا بھی لیتے آنا۔

علاج

(عورت ڈاکٹر سے) ڈاکٹر صاحب میرے شوہر کو رات کو نیند میں بولنے کی عادت ہے میں سخت پریشان ہوں۔

ڈاکٹر نے کہا! یوں کریں کہ اسے دن میں بھی بولنے دیا کریں۔

ٹاس

مچھلی کے شوقین شکاری نے اتوار کی صبح دریا میں ڈوری ڈالتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا میں کوئی کام ٹاس کیے بغیر نہیں کرتا اس لئے کبھی ناکام نہیں ہوا۔ آج صبح بھی میں نے ٹاس کرکے ہی فیصلہ کیا تھا کہ مجھے شکار کو جانا چاہیے۔ یا چرچ!

اور تم جیت گئے؟ دوست نے تجسس سے پوچھا۔

بچوں پر شفقت

(میر انجم پرویز)

بچوں سے پیار

ہمارے پیارے نبیؐ بچوں سے بہت پیار کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ بچوں سے پیار کر رہے تھے کہ باہر سے ایک بدّو آیا۔ اس نے حیرت سے کہا آپؐ بچوں سے اتنا پیار کرتے ہیں۔ میرے دس بچے ہیں۔ میں نے تو کبھی کسی سے پیار نہیں کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ "اگر اللہ نے تمہارے دل سے محبت لے لی ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں"۔ (صحیح بخاری کتاب الادب)

بے پایاں شفقت

حضرت جابر بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی۔ نماز کے بعد حضورؐ اہل خانہ کی طرف جانے لگے تو میں بھی حضورؐ کے ساتھ چل پڑا۔ وہاں پہنچے تو آگے بچے حضورؐ کے استقبال کے لئے کھڑے تھے۔ حضورؐ ان کے پاس رک گئے۔ ایک ایک بچے کے گلوں کو حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے سہلایا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں تو حضورؐ کے ساتھ آیا تھا لیکن حضورؐ نے پھر میرے گلوں کو بھی سہلایا۔ جب حضورؐ اپنا ہاتھ میرے گلوں پر پھیر رہے تھے تو مجھے حضورؐ کے ہاتھوں میں ایسی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس ہوئی گویا حضورؐ نے انہیں کسی عطار کے تھیلے سے نکالا ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل)

بچوں سے دل لگی

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا ہمارے گھر آنا جانا تھا۔ میرا ایک چھوٹا بھائی تھا جس کو ابوعمیر کہہ کر پکارتے تھے۔ اس کی ایک سرخ چونچ والی بلبل تھی جس سے وہ کھیلا کرتا تھا وہ مر گئی۔ اس کے مرنے کے بعد حضورؐ ہمارے ہاں آئے تو عمیر کو افسردہ دیکھا پوچھا اس کو کیا ہو گیا ہے۔ چپ چپ ہے۔ گھر والوں نے عرض کیا کہ اس کی نُغَیر یعنی بلبل مر گئی ہے۔ اس پر آپؐ نے ابوعمیر کو بہلانے کے لئے یہ کہنا شروع کیا کہ یا ابا عمیر ما فعل النغیر کہ اے ابوعمیر! نُغَیر تجھ سے کیا کر گئی۔ (سنن ابی داؤد کتاب الادب)

باپ سے زیادہ شفقت

حضرت زیدؓ آنحضورؐ کے منہ بولے بیٹے تھے۔ آپؐ ان سے بہت پیار کرتے۔ اسی طرح حضرت زیدؓ کے بیٹے حضرت اسامہؓ کو بھی اپنے بچوں کی طرح رکھتے۔ حضورؐ اپنے نواسے حضرت حسینؓ کو ایک زانو پر بٹھا لیتے اور اسامہؓ کو دوسرے پر اور دونوں کو سینہ سے لگا لیتے اور فرماتے۔ اے اللہ! میں ان سے پیار کرتا ہوں تُو بھی ان سے محبت فرما۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب)

آنحضرت ﷺ کے صحابی حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم نماز کے لئے آنحضرت ﷺ کا انتظار مسجد نبوی میں کر رہے تھے کہ حضورؐ تشریف لائے۔ حضورؐ نے حضرت زینبؓ کی بچی امامہ کو اپنی گردن پر اٹھایا ہوا تھا۔ حضورؐ اسی طرح امامہ کو اٹھائے ہوئے آگے بڑھے اور اپنی نماز کی جگہ پہنچ کر کھڑے ہو گئے۔ ہم بھی حضورؐ کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ لیکن امامہ اسی طرح حضورؐ کی گردن پر بیٹھی رہی اور اسی حالت میں حضورؐ نے تکبیر کہی اور ہم نے بھی

بڑا سخت مرحلہ تھا۔ مجھے چھ مرتبہ سکہ اچھالنا پڑا تب جا کر شکار کے حق میں فیصلہ ہوا۔

عملی تجربہ

ایک سہیلی دوسری سے، تم اختر سے شادی کیوں نہیں کرلیتیں؟

میں صرف اس شخص سے شادی کروں گی جو زندگی کو سمجھتا اور جسے زندگی کی تلخیوں کا عملی تجربہ ہو۔ جواب ملا

اچھا! تو گویا تم کسی رنڈوے سے شادی کرنا چاہتی ہو۔

دو دل

ڈاکٹر مریض سے..... اب آپریشن کے بعد آپ کی طبیعت کیسی ہے؟

مریض۔ کچھ یوں لگتا ہے کہ میرے سینے میں ایک کی بجائے دو دل دھڑک رہے ہیں۔

ڈاکٹر........ اوہو، تو میری گھڑی بھی اندر رہ گئی۔

بدذائقہ

غائب دماغ سائنس کے استاد کلاس میں پہنچے تو ان کے ہاتھ میں ایک پیکٹ تھا۔

''میں آپ کے لئے دو عدد مینڈک لایا ہوں''۔ انہوں نے کلاس کو مخاطب کر کے کہا۔

''آپ کو یہ پہچاننا ہے کہ ان میں سے نر کون سا ہے اور مادہ کونسی؟'' یہ کہہ کر انہوں نے پیکٹ کھولا تو پوری کلاس یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ اس سے دو عدد سینڈوچ برآمد ہوئے غائب دماغ استاد پہلے تو پریشان ہوئے پھر دفعتاً بہت خوش ہو کر بولے۔ ''لیجیے مسئلہ حل ہوگیا۔ میں بڑی دیر سے سوچ رہا تھا کہ آج لنچ اتنا بدذائقہ کیوں تھا؟

☆☆☆

راہِ مضمونِ تازہ بند نہیں

دل ہُوا ہے مرا خرابِ سخن
دیکھ کر حُسنِ بے حجابِ سخن

بزمِ معنی میں سر خوشی ہے اسے
جس کوں(1) ہے نشۂ شرابِ سخن

راہِ مضمونِ تازہ بند نہیں
تا قیامت کھلا ہے بابِ سخن

جلوہ پیرا ہو شاہدِ معنی
جب زباں سوں(2) اُٹھے نقابِ سخن

گوہر اس کی نظر میں جا نہ کرے
جن نے دیکھا ہے آب و تابِ سخن

ہے تری بات اے نزاکت فہم
لوحِ دیباچۂ کتابِ سخن

لفظ رنگیں ہے مطلعِ رنگیں
نورِ معنی ہے آفتابِ سخن

عرفی و انوری و خاقانی
مجھ کوں دیتے ہیں سب حسابِ سخن

اے ولی! دردِ سر کبھو نہ رہے
جب ملے صندل و گلابِ سخن

(ولی دکنی)

(1) کو (2) سے

☆☆☆

شیخ امام بخش ناسخ

(مکرم شکیل احمد عمر صاحب۔ اسلام آباد)

مختصر تعارف

آپ ۱۵/اگست ۱۸۳۸ء کو فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت کے حالات معلوم نہیں ہیں۔ البتہ ورزش اور پہلوانی کا شوق انہیں ابتدا سے تھا۔ ناسخ نے مختلف نوابوں کے ہاں مختصر ملازمتیں کیں۔ ملازمتوں کے سلسلے میں لکھنؤ، کانپور، الٰہ آباد اور بنارس اور عظیم آباد میں مقیم رہے۔ آپ نے جمادی الاول ۱۲۵۴ھ میں وفات پائی۔

ناسخ کی شاعری

ناسخ کو اردو شاعری کے دبستان لکھنؤ کا امام تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان کا بڑا کارنامہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ انہوں نے اردو شاعری کے لئے ایک ٹکسالی زبان مہیا کی اور اس کے لئے باقاعدہ اصول وضوابط نہ صرف تیار کئے بلکہ ان پر عمل بھی کیا اور کرایا۔ شاعری میں ناسخ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ حقائق اور جذبات کی بجائے مضامین کے اختراع اور ایجاد کے دلدادہ ہیں۔ مضمون آفرینی اور نازک خیالی کے لحاظ سے ان کے کلام کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ ان کے کلام میں درد وتاثیر کی کمی ہے۔ اخلاق وحکمت کا عنصر بھی ان کی شاعری میں ہے۔ شاعری میں زبان کی فصاحت کا خاص خیال رکھا ہے۔ پرانے ہندی الفاظ کو ترک کر کے ان کی جگہ عربی و فارسی کے الفاظ کو بکثرت استعمال کیا ہے۔

زبان کے بارے میں ناسخ کی اصلاحات کو لکھنؤ اور دہلی کے شعراء اور ادباء نے عموماً تسلیم کیا ہے مگر یہ اعتراض ضرور کیا جاتا ہے کہ ناسخ نے ہندی کے بعض شستہ اور شیریں الفاظ ترک کر دیے جس کی وجہ سے زبان کی لطافت کو نقصان پہنچا۔

ذیل میں ناسخ کے کلام سے انتخاب پیش خدمت ہے۔

منتخب کلام

ساقی بغیر شب جو پیا آبِ آتشیں
شعلہ وہ بن کے میرے دہن سے نکل گیا
اب کی بہار میں یہ ہوا جوش اے جنوں!
سارا لہو ہمارے بدن سے نکل گیا

☆☆☆

جب غزالوں کے نظر آجاتے ہیں چشمِ سیاہ
دشت میں کرتے ہیں یاد اپنے سیہ خانے کو ہم
باندھتے ہیں اپنے دل میں زلفِ جاناں کا خیال
اس طرح زنجیر پہناتے ہیں دیوانے کو ہم

☆☆☆

چوٹ دل کو جو لگے آہ رسا پیدا ہو
صدمہ شیشہ کو جو پہنچے تو صدا پیدا ہو
ہم ہیں بیمارِ محبت، یہ دعا مانگتے ہیں
مثلِ اکسیر نہ دنیا میں دوا پیدا ہو
کہہ رہا ہے جرس قلب بآواز بلند
گم ہو رہبر تو ابھی راہ خدا پیدا ہو
اشک تھم جائیں جو فرقت میں تو آہیں نکلیں
خشک ہوجائے جو پانی تو ہوا پیدا ہو

گل تجھے دیکھ کے گلشن میں کہیں عمر دراز
شاخ کے بدلے وہیں دستِ دعا پیدا ہو

☆☆☆

کی مکافات شب وصل خدا نے ورنہ
کس لئے مجھ پہ عذابِ شبِ ہجراں ہوتا
اپنی صورت کا وہ دیوانہ ہوتا تو کیوں
پاؤں میں سلسلۂ گیسوئے پیچاں ہوتا

☆☆☆

مرتبہ کم حرص رفعت سے ہمارا ہوگیا
آفتاب اتنا ہوا اونچا کہ تارا ہوگیا
کرتے ہیں سالک ترقی سے تنزل اختیار
جبکہ منزل پر سوار آیا پیادہ ہوگیا

☆☆☆

مرا سینہ ہے مشرق آفتاب داغ ہجراں کا
طلوع صبح محشر چاک ہے میرے گریباں کا
چمکنا برق کا لازم پڑا ہے آبِ باراں میں
تصور چاہیے رونے میں اس کے روئے خنداں کا
وہ شوخ فتنہ انگیز اپنی خاطر میں سمایا ہے
کہ یک گوشہ ہے صحرائے قیامت اس کے داماں کا
تہِ شمشیر قاتل کس قدر بشاش تھا ناسخ
کہ عالم ہر دہانِ زخم پر ہے روئے خنداں کا

☆☆☆

۱۔آب حیات۔محمد حسین آزاد ۲۔ہسٹری آف اردو لٹریچر۔رام بابو سکسینہ ۳۔مختصر تاریخ اردو ادب۔ ڈاکٹر سید اعجاز حسین ۴۔اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ۔ڈاکٹر سلیم اختر۔دیوان ناسخ

ہنر سیکھنے کی اہمیت

ہر خادم کو کوئی نہ کوئی ہنر آنا چاہیے۔(المصلح الموعود)

حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:۔

☆ یاد رکھو جس قوم میں بیکاری کا مرض ہو وہ نہ دنیا میں عزت حاصل کر سکتی ہے اور نہ دین میں عزت حاصل کر سکتی ہے ...... میں نے تحریک کی تھی کہ ہمارے جماعت کے جو لوگ بیکار ہیں وہ معمولی سے معمولی مزدوری کریں مگر بیکار نہ رہیں ...... اس سے قوم کو بھی فائدہ پہنچے گا۔غرضیکہ وہ اپنی اخلاقی حالت کو بھی درست کرے گا اور اقتصادی حالت کو بھی ......رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیکاری کو سب سے بڑی لعنت قرار دیا ہے اور تمہارا فرض ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو اس لعنت سے بچاؤ۔

(روزنامہ الفضل 25 دسمبر 1935ء)

حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:۔

☆ ہر جماعت میں جتنے پیشہ ور ہیں ان سے کہا جاوے کہ وہ خدام کو سائیکل کھولنا اور جوڑنا یا موٹر کی مرمت کا کام یا موٹر ڈرائیونگ سکھا دیں یہ کام ایسے ہیں کہ ان میں انسان کی صحت بھی ترقی کرتی ہے اور انسان ان کو بطور (Hobby) کے سیکھ سکتا ہے۔ ...... اور یہ بتایا جائے کہ موٹر کی عام مرمت کیا ہوتی ہے جو خادم سیکھیں ان میں سے بعض مختلف جگہوں پر موٹر کی مرمت کی دکان کھول لیں یہ بہت مفید کام ہے......جو شخص مشینوں پر کام کرنا جانتا ہو وہ کسی جگہ بھی چلا جائے اپنے لئے عمدہ گذارہ پیدا کر سکتا ہے۔

(خطبہ فرمودہ 21 اکتوبر 1945ء)

☆☆☆

''سفرِ آخرت — آداب و مسائل''

نام کتاب ...... ''سفرِ آخرت۔ آداب و مسائل''

مرتبہ ...... مکرمہ امۃ الرشید ارسلہ صاحبہ

ناشر ...... لجنہ اماء اللہ ضلع کراچی

80 صفحات پر مشتمل لجنہ اماء اللہ ضلع کراچی کی طرف سے شائع ہونے والی یہ اکہترویں کتاب ہے۔ اس میں موت کی حقیقت، تجہیز و تکفین اور بعث بعد الموت کے مسائل پر 101 مختلف عناوین کے تحت قرآن کریم، احادیث مبارکہ، حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفائے کرام کے ارشادات فرمودات کے ذریعہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز گاہے گاہے فقہاء کی کتب سے بھی مدد لی گئی ہے۔ آپ کے ذہن میں سفرِ آخرت کے متعلق بہت سارے سوالات پیدا ہوتے ہوں گے۔ اُمید ہے کہ آپ کو ان سوالات کا جواب اس کتاب میں ضرور مل جائے گا۔

اس جگہ کتاب میں مذکورہ تمام موضوعات کا بیان تو ممکن نہیں البتہ چند اہم موضوعات بطور نمونہ ہدیہ قارئین ہیں۔

☆ مرنے والے دنیا کی طرف زندہ کر کے کبھی لوٹائے نہیں جائیں گے۔

☆ اصل زندگی تو موت کے بعد کی زندگی ہے۔

☆ نزع کے وقت پڑھنے کی دعائیں۔

☆ تجہیز و تکفین کے مسائل۔

☆ جنگ میں فوجیوں کے ریزہ ریزہ ہو جانے کی صورت میں جنازہ و قبر کے بارہ میں حکم۔

☆ نماز جنازہ جوتیوں سمیت اور ننگے سر کے بارہ میں۔

☆ غیر (مومن) کی وفات (دینی) معاشرہ میں۔

☆ پھانسی اور خودکشی کرنے والوں کی نماز جنازہ۔

☆ (بیت الذکر) میں میت کی نماز جنازہ۔

☆ نماز جنازہ حاضر یا غائب میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی شمولیت۔

☆ تدفین کے بعد نعش ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا۔

☆ کسی کی موت پر صبر کرنے کی فضیلت۔

☆ تعزیت کے موقعہ پر غیر شرعی رسوم کی مذمت۔

☆ ختم، فاتحہ خوانی، قُل قرآن خوانی، چادر یا پھول چڑھانا، چراغ جلانا، میت کے نام پر کھانا۔

☆ قبر پختہ بنانا، اسے زیارت گاہ بنانا، عرس منانا وغیرہ۔

☆ کسی فوت شدہ عزیز کو ثواب کس طرح پہنچایا جائے؟

☆ قبر میں سوالات کی کیفیت اور روحوں کا قبر سے تعلق۔

☆ مرنے کے بعد دوسری زندگی میں کیا یہی خاکی جسم زندہ کیا جائے گا؟

☆ تسلیم و رضا کا مقام۔

آخر میں بیرونی ٹائٹل پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ خوبصورت نظم دی گئی ہے:-

اے حُبِّ جاہ والو! یہ رہنے کی جا نہیں
اس میں تو پہلے لوگوں سے کوئی رہا نہیں
اے لوگو! عیشِ دنیا کو ہرگز وفا نہیں
کیا تم کو خوفِ مرگ و خیالِ فنا نہیں
ڈھونڈو وہ راہ جس سے دل و سینہ پاک ہو
نفسِ دَنی خدا کی اطاعت میں خاک ہو

(تبصرہ از: **فرخ شاد**)

تکبیر کہی۔ حضورؐ نے امامہ کو اٹھائے ہوئے قیام کیا اور جب رکوع کرنے لگے تو انہیں گردن سے اتار کر نیچے بٹھا دیا پھر رکوع کیا اور سجدے کیئے۔ جب سجدوں سے فارغ ہو کر قیام کے لئے کھڑے ہونے لگے تو امامہ کو اٹھا کر پھر اپنی گردن پر بٹھا لیا اور حضورؐ ساری نماز میں اسی طرح کرتے رہے۔ رکوع کرنے سے پہلے اتار دیتے اور سجدوں کے بعد قیام کے وقت اٹھا لیتے یہاں تک کہ حضورؐ نماز سے فارغ ہو گئے۔ (سنن ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ)

بچوں کا اکرام

آپؐ کا معمول تھا کہ جب کوئی نیا پھل یا میوہ آپؐ کی خدمت میں پیش کرتا تو حاضرین میں سے پہلے سب سے کم عمر والے بچے کو عنایت فرماتے۔ (المعجم الصغیر طبرانی)

بچوں کو سلام کرتے

آنحضرت ﷺ بچوں کے پاس سے گزرتے یا ان سے ملتے تو ہمیشہ سلام میں پہل فرماتے۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ کچھ بچے کھیل رہے تھے۔ حضورؐ ان کے پاس سے گزرے تو آپؐ نے ان کو پہلے سلام کیا۔ (سنن ابی داؤد کتاب السلام)

بچوں کی تکلیف کا احساس

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ فرماتے تھے کہ میں نماز شروع کرتا ہوں۔ دفعۃً صف سے کسی بچے کی رونے کی آواز آتی ہے تو نماز مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں کو تکلیف ہوتی ہو گی۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ)

رحم کا آسمانی جذبہ

حضرت اسامہؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضورؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے حضورؐ کو کہلا بھیجا کہ میرا بیٹا آخری سانس لے رہا ہے تشریف لائیں۔ حضورؐ نے ان کو سلام کہا اور کہلا بھیجا کہ صبر کرو جو کچھ اللہ دیتا ہے یا واپس لیتا ہے وہ سب اللہ کا ہی ہے۔ ہر چیز اس کے ہاں ایک معین مدت کے لئے ہے۔ حضرت زینبؓ نے دوبارہ پیغام کہلا بھیجا اور قسم دی کہ حضورؐ ضرور تشریف لے آئیں۔ تب حضورؐ مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور حضورؐ کے ساتھ کچھ اور صحابہ بھی تھے۔ جب آپ حضرت زینبؓ کے ہاں پہنچے تو بچہ حضورؐ کی گود میں دیا گیا۔ اس کا سانس اکھڑا ہوا تھا اور سانس میں ایسی آواز پیدا ہو رہی تھی جیسے پانی کی بھری مشک سے پانی نکلنے تو پیدا ہوتی ہے۔ حضورؐ نے بچے کو گود میں لے لیا۔ اس کی طرف دیکھا بے اختیار آنسو بہہ پڑے۔ حضرت سعدؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! یہ کیا ہے۔ آپؐ کیوں رونے لگے؟ آپؐ نے جواب یا کہ یہ وہ رحم کا جذبہ ہے جو خدا نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھا ہوا ہے۔ خدا اپنے بندوں میں سے ان پر رحم کرتا ہے جو خود رحم کرنے والے ہوتے ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب الجنائز)

بلا امتیاز شفقت

یہ شفقت اور پیار کی بارش صرف مسلمان بچوں پر ہی نہیں برستی تھی بلکہ مشرکین کے بچے بھی اسی طرح لطف اندوز ہوتے تھے۔ ایک دفعہ ایک غزوہ میں چند بچے مارے گئے۔ آپؐ کو خبر ہوئی تو آپؐ آزردہ ہوئے۔ ایک صحابی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! وہ مشرکین کے بچے تھے۔ آپؐ نے فرمایا:۔

"خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو۔ خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو۔ ہر جان خدا کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے"۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 3 صفحہ 435 مسند المشرکین حدیث الاسود بن سریع)

☆☆☆

وُسعتِ حوصلہ

(مہتمم تربیت مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان)

جماعت احمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی بعثت کے مقاصد کی تکمیل کی غرض سے قائم کیا ہے۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ جماعت کا ہر فرد آنحضرت ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے آپ کو اخلاقی لحاظ سے بلند تر کرتا چلا جائے۔ خود باخدا انسان بننے اور دوسروں کو اللہ کی طرف بلانے کے لئے با اخلاق ہونا ضروری ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کے متعلق گواہی دیتے ہوئے فرماتا ہے۔

"تو یقیناً (اپنی تعلیم اور عمل میں) نہایت اعلیٰ درجہ کے اخلاق پر قائم ہے"۔ (سورۃ القلم:۵)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ اخلاق کی اہمیت کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"مذہبی قومیں بغیر اخلاقی تعمیر کے تعمیر نہیں ہوسکتیں اور یہ تصور بالکل باطل ہے کہ انسان بد اخلاق ہو اور باخدا ہو۔ اس لئے مذہبی قوموں کی تعمیر میں سب سے اہم بات ان کے اخلاق کی تعمیر ہے اور یہ تعمیر جتنی جلدی شروع ہو اتنا ہی بہتر ہے اور اتنی ہی آسان ہوتی ہے"۔ (خطبہ جمعہ ۲۴ نومبر ۱۹۸۹ء)

کچھ عرصہ قبل ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ نے اخلاق کی تعمیر کے سلسلہ میں جماعت کو وسعت حوصلہ کی طرف توجہ دلائی تھی۔ ہر معاشرہ میں مختلف عادات اور مختلف طبائع کے انسان بستے ہیں۔ حسن معاشرت کے لئے ضروری ہے کہ ہر انسان وسعت حوصلہ سے کام لے اور اپنی عادت یا طبیعت کے برخلاف کام پر یا کسی نقصان پر بے حوصلگی نہ دکھائے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر غصہ میں آجانے سے انسان نہ صرف اخلاقی لحاظ سے کمزور ہوجاتا ہے بلکہ گھر میں اور معاشرہ میں نفرت پھیلنا شروع ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں متقین کی ایک علامت یہ بیان فرماتا ہے۔ "غصہ کو دبانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں"۔ (آل عمران:۱۳۵) آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا: "طاقتور پہلوان وہ شخص نہیں جو دوسروں کو پچھاڑ دے۔ اصل پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھتا ہے"۔ (بخاری کتاب الادب)

آنحضرت ﷺ نے زبانی ہی نہیں بلکہ عملی طور پر بھی مسلمانوں کو وسعت حوصلہ کی تعلیم دی۔ ایک دفعہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور آپ سے قرض ادا کرنے کا تقاضہ کیا اور بڑی گستاخی سے پیش آیا۔ آپ ﷺ کے صحابہ کو بہت غصہ آیا اور اسے ڈانٹنے لگے حضور ﷺ نے فرمایا اسے کچھ نہ کہو کیونکہ جس نے لینا ہو وہ کچھ نہ کچھ کہنے کا بھی حق رکھتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا اسے اس عمر کا جانور دے دو جس عمر کا اُس نے وصول کرنا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا اس وقت تو اس سے بڑی عمر کا جانور موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہی دے دو کیونکہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنا قرض زیادہ عمدہ اور اچھی صورت میں ادا کرتا ہے۔

(مسلم کتاب البیوع)

"ایک دفعہ ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کردیا لوگ کھڑے ہوگئے کہ اس پر ٹوٹ پڑیں اور پکڑ لیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اسے چھوڑ دو اور پانی کا ایک ڈول بہا دو (تاکہ پیشاب کا اثر زائل ہوجائے) کیونکہ تمہیں آسانی پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہے۔ تنگی کرنے والا اور

سختی سے پیش آنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا"۔ (بخاری)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"کہتے ہیں کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نوکر چائے کی پیالی لایا۔ جب قریب آیا تو غفلت سے وہ پیالی آپؓ کے سر پر گر پڑی آپؓ نے تکلیف محسوس کر کے ذرا تیز نظر سے غلام کی طرف دیکھا۔ غلام نے آہستہ سے پڑھا الکاظمین الغیظ یہ سن کر امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کظمت غلام نے پھر کہا والعافین عن الناس۔ کظم میں انسان غصہ دبا لیتا ہے اور اظہار نہیں کرتا مگر اندر سے پوری رضامندی نہیں ہوتی اس لئے عفو کی شرط لگا دی ہے۔ آپؓ نے کہا کہ میں نے عفو کی۔ پھر پڑھا واللہ یحب المحسنین محبوب الٰہی وہی ہوتے ہیں جو کظم اور عفو کے بعد نیکی بھی کرتے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا: جا آزاد بھی کیا۔ راستبازوں کے نمونے ایسے ہیں کہ چائے کی پیالی گرا کر آزاد ہوا"۔ **(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 115)**

پھر آپؑ نے فرمایا:۔

"یاد رکھو جو شخص سختی کرتا اور غضب میں آجاتا ہے اس کی زبان سے معارف اور حکمت کی باتیں ہرگز نہیں نکل سکتیں وہ دل حکمت کی باتوں سے محروم کیا جاتا ہے جو اپنے مقابل کے سامنے جلدی طیش میں آکر آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ گندہ دہن اور بے لگام ہونٹ لطائف کے چشمہ سے بے نصیب اور محروم کئے جاتے ہیں۔ غضب اور حکمت دونوں جمع نہیں ہو سکتے جو مغضوب الغضب ہوتا ہے اس کی عقل موٹی اور فہم کند ہوتا ہے اور اس کو کبھی کسی میدان میں غلبہ اور نصرت نہیں دیئے جاتے۔ غضب نصف جنون ہے جب یہ زیادہ بھڑکتا ہے تو پورا جنون ہو سکتا ہے"۔ **(الحکم 10 مارچ 1903ء صفحہ 8)**

حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہ اپنے منظوم کلام میں وسعت حوصلہ کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

میں اپنے پیاروں کی نسبت
ہر گز نہ کروں گا پسند کبھی
وہ چھوٹے درجہ پہ راضی ہوں
اور ان کی نگاہ رہے نیچی
وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پہ
شیروں کی طرح غراتے ہوں
ادنیٰ سا قصور اگر دیکھیں
تو منہ میں کف بھر لاتے ہوں

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ وسعت حوصلہ کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"تیسری چیز وسعت حوصلہ ہے۔ بچپن ہی سے اپنی اولاد کو یہ سکھانا چاہئے کہ اگر تمہیں کسی نے تھوڑی سی کوئی بات کہی یا تمہارا کچھ نقصان ہو گیا ہے تو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اپنا حوصلہ بلند رکھو اور حوصلے کی یہ تعلیم بھی زبان سے نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر اپنے عمل سے دی جاتی ہے۔ بعض بچوں سے نقصان ہو جاتے ہیں۔ گھر کا کوئی برتن ٹوٹ گیا، سیاہی کی کوئی دوات گر گئی، کھانا کھاتے ہوئے پانی کا گلاس الٹ گیا اور ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر میں نے دیکھا ہے کہ بعض ماں باپ برافروختہ ہو کر بچوں کے اوپر برس پڑتے ہیں۔ ان کو گالیاں دینے لگ جاتے ہیں۔ چپیڑیں مارتے ہیں اور کئی طرح کی سزائیں دیتے ہیں اور صرف یہی نہیں بلکہ جن قوموں میں یا جن ملکوں میں ابھی تک ان کا طبقہ یہ توفیق رکھتا ہے کہ وہ نوکر رکھے وہاں نوکروں کے ساتھ تو اس سے بھی بہت بڑھ کے بدسلوکیاں ہوتی ہیں۔ تو ان جگہوں میں جہاں نوکروں سے بدسلوکیاں ہو رہی ہوں، ان گھروں میں جہاں بچوں کے ساتھ بدسلوکیاں ہو رہی ہوں وہاں آئندہ قوم میں بڑا حوصلہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

اپنے بچوں کی جو تربیت کی وہ محض کلام کے ذریعے نہیں کی بلکہ اعلیٰ اخلاق کے اظہار کے ذریعہ کی ہے۔ حضرت مصلح موعود جب بچے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک بہت ہی قیمتی مقالہ جو آپ نے تحریر فرمایا تھا اور اس کو طباعت کے لئے تیار فرمایا تھا وہ آپ نے کھیل کھیل میں جلا دیا اور سارا گھر ڈرا بیٹھا تھا کہ اب پتہ نہیں کیا ہوگا اور کیسی سزا ملے گی (لیکن) جب مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم ہوا تو آپ نے فرمایا کوئی بات نہیں خدا اور توفیق دے دے گا۔ حوصلہ اپنے عمل سے پیدا کیا جاتا ہے اور وہ ماں باپ جن کے دل میں حوصلے نہ ہوں وہ اپنے بچوں میں حوصلے نہیں پیدا کرسکتے۔ اور نرم گفتاری کا بھی حوصلے سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ چھوٹے حوصلے ہمیشہ بدتمیز زبان پیدا کرتے ہیں۔ بڑے حوصلوں سے زبان میں بھی تحمل پیدا ہوتا ہے اور زبان کا معیار بھی بلند ہوتا ہے۔ پس محض زبان میں نرمی پیدا کرنا کافی نہیں جب تک اس کے ساتھ حوصلہ بلند نہ کیا جائے۔ اور وسیع حوصلگی جماعت کے لئے آئندہ بہت ہی کام آنے والی چیز ہے۔ جس کے غیر معمولی فوائد ہمیں اندرونی طور پر بھی اور بیرونی طور پر بھی نصیب ہوسکتے ہیں، لیکن وسیع حوصلگی کا یہ مطلب نہیں کہ ہر نقصان کو برداشت کیا جائے اور نقصان کی پرواہ نہ کی جائے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ مزید فرماتے ہیں:۔

"یہ بات ناشکری میں داخل ہے کہ کسی نعمت کی بے قدری کی جائے تو حوصلے سے مراد ہرگز یہ نہیں کہ نقصان کی پرواہ نہ کرنے کی عادت ڈالی جائے۔ یہ دو باتیں پہلو بہ پہلو چلنی چاہئیں۔ حوصلے سے مراد یہ ہے کہ اگر اتفاقاً کسی سے کوئی نقصان پہنچتا ہے تو اس پر برداشت کیا جائے اور اسے کہا جائے کہ اس قسم کی باتیں ہوتی رہتی ہیں اور جن کے حوصلے بلند ہوں وہ پھر بڑے ہو کر بڑے نقصان برداشت کرنے کے بھی زیادہ اہل ہو جاتے ہیں۔ بعض دفعہ آفات سماوی پڑتی ہیں اور دیکھتے دیکھتے انسان کی فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ جن کو چھوٹی چھوٹی باتوں کا حوصلہ نہ ہو وہ ایسے موقعوں کے اوپر پھر خدا سے بھی بدتمیز ہو جاتے ہیں اور بے حوصلگی کے ساتھ خودغرضی کا ایک ایسا گہرا رشتہ ہے کہ اس خودغرضی کے نتیجہ میں ہر دوسری چیز اپنی تابع دکھائی دینے لگتی ہے۔ اگر وہ فائدہ پہنچا رہی ہے تو ٹھیک ہے۔ ذرا سا بھی نقصان کسی سے پہنچے تو انسان حوصلہ چھوڑ بیٹھتا ہے اور جب بندوں سے بے حوصلگی شروع ہو تو بالآخر انسان خدا سے بھی بے حوصلہ ہو جاتا ہے۔ اسی لئے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے ہمیں یہ گر سمجھایا مَنْ لَّا يَشْكُرُ النَّاسَ لَا يَشْكُرُ اللّٰهَ کہ جو بندے کا شکر ادا کرنا نہ سیکھے وہ خدا کا کہاں کر سکتا ہے۔ جو بندے کا نہیں کرتا وہ خدا کا بھی شکر نہیں کرتا۔ یہ جو گہرا فلسفہ ہے یہ ہم روزمرہ کی زندگی میں دیکھتے ہیں۔ حوصلے پر بھی اس بات کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس لئے میں نے کہا تھا کہ یہ معمولی بات نہیں۔ بڑے ہو کر اس کے بہت بڑے بڑے نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ وہ نقصان جن میں انسان بے اختیار ہو اس پر صبر کا نام حوصلہ ہے۔ نقصان کی طرف طبیعت کا میلان ہونا یہ حوصلہ نہیں ہے۔ یہ بے وقوفی ہے، جہالت ہے اور بعض صورتوں میں یہ خود ناشکری بن جاتا ہے۔ اس لئے بچوں کو جب حوصلہ سکھاتے ہیں تو چیزوں کی قدر کرنا بھی سکھائیں"۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۴ نومبر ۱۹۸۹ء)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان تمام نصائح پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆

کیا ہم قرآن کریم خود پڑھ رہے ہیں یا کسی کو پڑھا رہے ہیں؟ اگر نہیں تو یہ ہمارے لیے فکر کا مقام ہے۔ (مہتمم تعلیم خدام الاحمدیہ پاکستان)